جلد 21 شمارہ 10 ماہ اکتوبر 2019ء صفر المظفر 1441ھ

ماہنامہ

# فلاحِ آدمیّت

# سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالی کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

# فلاحِ آدمیّت گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیّت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت





شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com



پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ 30/- روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ 300/- روپے

# اس شمارے میں

# دل کی بات

ہمارے معاشرے میں ملکی سیاست پر تبصرے عام ہیں۔ ہر فرد کی کسی نہ کسی سیاسی جماعت سے وابستگی ہے۔ سیاسی شخصیات، ان کے ہر ہر قدم اور فیصلے کا پورے شدومد سے دفاع کرنے کا جو رواج عام ہو چکا ہے یہ کسی طرح درست نہیں۔ چند سال پہلے تک سیاسی امور پر تبادلہ خیال اگر کسی محفل میں ہوتا بھی تھا تو اس میں جذبات کا عمل دخل اس قدر شدت سے نہیں تھا جتنا ان حالیہ ادوار میں نظر آ رہا ہے۔ سوشل میڈیا نے تو ان مباحث کو جلتی پر تیل چھڑکنے کے مصداق ہوا دی ہے۔ ہر بندہ اس قدر سیاسی دل و دماغ والا بن گیا ہے کہ کسی کے سیاسی لیڈر کے خلاف ذرا سی کوئی بات ہو جائے تو بات ایسے عناد و فساد پر آجاتی ہے کہ الحفیظ والامان۔

ہمارا یہ عمومی سیاسی مزاج اتنا اچھا نہیں کہ جس پر فخر کیا جائے۔ جس طرف اور جس انداز سے دیکھیں شرمندگی ہی شرمندگی ہے۔ خیر حالات کا رونا یہاں مقصود نہیں۔ بہت سی سیاسی جماعتیں، مذہبی جماعتیں، سماجی اور معاشرتی اصلاح کی سوچ کی حامل جماعتیں اور افراد اپنے اپنے انداز سے اصلاحِ احوال کے لئے کوشاں ہیں، اللہ ان کی مساعی کو بار آور فرمائے۔ آمین۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ ہم لوگوں کو یاد رکھنا ہے کہ ہم لوگ ایک بہترین روحانی تحریک کا حصہ ہیں۔ ہماری اس سلسلہ روحانیت سے وابستگی خالص اللہ کے لئے ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کے رنگ میں رنگنے کے لئے ہے۔ ہمارے سامنے اللہ کی محبت ہے۔ اس کے قرب، عرفان، لقاء اور دیدار کا اعلیٰ و ارفع مقصد ہے۔ ہم سالک ہیں، ہم نے جیتے جی سلوک طے کرنا ہے۔ یہ سیاست کی بات، سیاسی جماعت سے وابستگی، سیاسی لیڈر سے وفاداری، اور دیگر سارے یہ سیاسی موضوعات ہمارا راستہ نہیں ہیں۔

الحمد للہ ہم لوگ اپنی تاریخ کے ہر دور میں مذہبی، سماجی، فرقہ ورانہ، علاقائی، لسانی، اور دیگر تمام تر انفرادی و گروہی تعصبات و منافرت سے بالکل آزاد رہے ہیں۔ ہمیں عالمگیر محبت کی تعلیم ملی ہے۔ ہم لوگ پریم پریت والے لوگ ہی ہیں۔ ہمیں کسی بھی تقسیم، انتشار، اکھاڑ، پچھاڑ میں پڑ کر اپنا وقت ضائع کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ جہاں تک بات سیاست اور ہماری سیاسی وابستگی کی ہے تو بائی

سلسلہ ؒ کے دورِحیات سے ہمارے مرشد شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ جناب محمد یعقوب صاحب توحیدی تک ہمارے کسی بھی روحانی پیشوا نے کسی سیاسی جماعت کی تبلیغ نہیں کی۔کبھی کسی کے ووٹ یا رائے حق دہی پر اثر انداز ہونے کی بات سامنے نہیں آئی۔جب بھی بات ہوتی ہے اللہ کی بات ہوتی ہے۔حبیب خداﷺ کی اطاعت سے بھرپور محبت کی بات ہوتی ہے۔ہم سب لوگ اس کے گواہ ہیں۔آج تک بہت سے گرم سرد سیاسی حالات آتے رہے ہیں۔جہاں تک ووٹ دینے کی بات ہے تو ہم سب لوگ ہی جسے بہتر سمجھتے ہیں ملک وقوم کی امانت سمجھ کر ووٹ دے آتے ہیں۔سلسلہ توحیدیہ میں سیاست بس یہیں سے شروع اور اسی پر ختم ہوجاتی ہے۔

ان باتوں کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہمارے ہاں سیاست یا سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی ممانعت ہے۔سیاست میں خدمت خلق اور اصلاحِ احوال کے بھی کئی پہلو موجود ہیں۔سلسلہ توحیدیہ سے وابستہ افراد اپنے طور پر سیاست یا سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ صرف یہ ملحوظِ خاطر رکھنے کی ضرورت ہے کہ سیاست یا کسی سیاسی سرگرمی میں حصہ لینے میں اور سیاست یا سیاسی سرگرمی کے نام پر طوفانِ بدتمیزی کا حصہ بننے میں فرق ہے۔ہمارے ہاں کسی کی جو بھی سیاسی سوچ، فکر،عقائد یا نظریات ہیں یہ زیرِ بحث نہیں آتے اور نہ ہی ان کی تبلیغ واشاعت کی جگہ ہمارا سلسلہ ہے۔

کہیں کہیں یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ ہمارے بھائی بھی باہمی ملاقاتوں میں، ہفتہ وار حلقہ ذکر کے بعد گپ شپ میں یا سوشل میڈیا پر ایسے طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں جو کسی طرح ہماری پہچان نہیں۔ ہم میں سے کسی کی بھی سیاسی جماعت اور اس کا لیڈر خواہ کتنا ہی اچھا ہو اس سے اچھے برے دونوں طرح کے کام ہونا دوراز قیاس ہرگز نہیں۔ہم توحیدیوں کے لئے عافیت بہرحال اسی میں ہے کہ ہمارا جو راستہ اور جو مقصد ہے، یا ہمارے محبوب مرشد قبلہ جناب محمد یعقوب صاحب توحیدی ہمیں جو تعلیم دے رہے ہیں، ہماری کوئی بھی سوچ یا سرگرمی ہمارے اس مقصد یا اس سے ملنے والی خالص اللہ کی محبت کی تعلیم سے دوری کا باعث نہ بننے پائے۔اللہ تعالیٰ صرف اپنی طرف ہمیں یکسوئی عطا فرمائے رکھے۔آمین۔

والسلام

سید رحمت اللہ شاہ

نائب مدیر

# تعلیمِ قرآن

## مرتب: ادارہ فلاحِ آدمیت

فَاذْكُرُونِيْ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُواْ لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔

پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۵۲)

فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُواْ اللّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ۔

پھر جب عرفات سے چلو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو۔ اور اس طرح یاد کرو جس کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے، ورنہ اس سے پہلے تو تم لوگ بھٹکے ہوئے تھے۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۹۸)

حَافِظُواْ عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلاَةِ الْوُسْطَى وَقُومُواْ لِلّهِ قَانِتِيْنَ۔ فَإنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُواْ اللّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُوْنَ۔

اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو، خصوصاً ایسی نماز کی جو محاسن صلوٰۃ کی جامع ہو۔ اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرمانبردار غلام کھڑے ہوتے ہیں بدامنی کی حالت ہو، خواہ پیدل ہو، خواہ سوار ہو، جس طرح ممکن ہو، نماز پڑھو۔ اور جب امن میسر آجائے تو اللہ کو اس طریقے سے یاد کرو، جو اس نے تمہیں سکھا دیا ہے، جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۲۳۹۔۲۳۸)

# بیعت کا آغاز اور سلسلہ توحیدیہ کی تنظیم

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

محبانِ عزیز! میں نے بیعت کا سلسلہ ۱۹۵۰ء سے شروع کیا اور بخدا بالکل مجبوری کے عالم میں شروع کیا۔ ورنہ میں پیر بن کر منظر عام پر آنے کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ تقسیم ہند کے بعد قیام کراچی کے دوران جو لوگ میری صحبت میں رہتے تھے ان میں سے اکثر حضرات میں وہ روحانی آثار پیدا ہو گئے جو ایک سالک میں باقاعدہ بیعت ہونے کے بعد پیدا ہوا کرتے ہیں۔ جب ان لوگوں میں سوز و جذب پیدا ہوا اور سرور نشہ رہنے لگا تو خواہ مخواہ طلب اور زیادہ ہوئی اس پر انہوں نے اصرار شروع کیا ان کو باقاعدہ بیعت کر لیا جائے تاکہ وہ منازل سلوک طے کر کے اپنی مراد کو پہنچیں۔ یہ کل پانچ سات آدمی تھے لیکن سبھی میرے نہایت عزیز اور بے تکلف دوست تھے۔ کئی ماہ تک میں انکار اور ان کے روز افزوں اصرار کا مقابلہ سختی سے کرتا رہا لیکن آخر کار ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔

۱۹۵۴ء تک ارکان سلسلہ کی تعداد چالیس پچاس سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن جنوری ۱۹۵۵ء میں جب میں مستقل طور پر بنوں آ گیا تو چند ہی مہینوں میں یہ تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ ۱۹۵۶ء کے آخر میں ضرورت محسوس ہوئی کہ حلقے کی باقاعدہ تنظیم کی جائے۔ چنانچہ یہ قاعدہ بنایا گیا کہ جس مقام پر کم از کم ۵ آدمی سلسلہ میں شامل ہو جائیں وہیں حلقہ قائم کر دیا جائے اور انہی پانچوں میں سے ایک کو ان کا انچارج مقرر کر دیا جائے۔ پشاور میں چونکہ ارکان حلقہ کی تعداد بہت تھی اسلئے تجربہ کے طور پر پہلا حلقہ وہیں قائم کیا گیا اور ملک بخشیش الٰہی مرحوم کو حلقہ کا انچارج مقرر کر دیا گیا

بعد میں دوسرے شہروں میں بھی اسی طرح حلقے قائم ہوتے چلے گئے۔ تنظیم کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کرتے ہوئے کئی باتیں منکشف ہوئیں اور میں نے ان کو سلسلہ کے دستور میں شامل کر دیا۔

سب سے پہلی بات یہ خیال میں آئی کہ دوسرے سلسلوں کے مشائخ جو بہت سے خلیفہ بنا دیتے ہیں یہ کچھ اچھی اور مفید بات نہیں ہے۔ اس سے یہ تو ضرور ہوتا ہے کہ مریدوں کی تعداد بہت جلد بڑھ جاتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ نقصان بھی ہوتا ہے کہ ہر ایک خلیفہ کا مزاج' عادت' علم اور اخلاق چونکہ دوسرے سے کسی نہ کسی قدر مختلف ہوتا ہے اس لیے ان کے حلقوں کا رنگ اور طریقہ کار بھی ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ اس طرح شیخ حلقہ کی جماعت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور ان ٹکڑیوں میں وہ ارتباط' ہم رنگی و ہم آہنگی باقی نہیں رہتی جو ایک جماعت کی مضبوط تنظیم اور طاقت کے لیے پہلی اور ضروری شرط ہے۔ اس لیے میں نے اس طریقے کے بجائے سلسلہ توحیدیہ کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب تک بھی یہ سلسلہ قائم رہے اس کے شیخ کا صرف ایک ہی خلیفہ ہوا کرے گا اور وہی اس کا جانشین بھی ہوگا۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو ابتدائے اسلام میں یہی طریقہ رائج تھا جو خلفائے راشدین تک قائم رہا۔ اس طریقہ میں ایک دقت بھی پیش آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اہل سلسلہ کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو شیخ سلسلہ بنفسہ ان سب کی تربیت کما حقہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے میں نے یہ طریقہ کار بنایا کہ جہاں کہیں اور جیسے جیسے ضرورت ہو کچھ احباب کو جو قابل اور اہل ہوں مجاز مقرر کر دیا جائے جو اپنے پیر بھائیوں کی تعلیم و تربیت کا فرض ادا کریں۔ چنانچہ اب یہی طریقہ سارے پاکستان کے توحیدی حلقوں میں رائج ہے۔

تنظیم کے لیے دوسری ضروری شرط یہ ہے کہ جماعت کی تمام چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں اور جماعت کے تمام افراد میں باہمی ربط و ضبط اور اتنی محبت ہو کہ ایک فرد کو کسی قسم کی تکلیف ہو تو پوری جماعت کا ہر فرد اس کو اسی طرح محسوس کرے جس طرح کہ وہ شخص کر رہا ہے جس پر یہ مصیبت پڑی ہے۔ اس درجہ کا ربط و ضبط پیدا کرنے اور اس کو قائم رکھنے کے لیے میں نے یہ طریقے بنائے ہیں۔

## ۱۔ ہفتہ وار حلقہ:

ہفتہ وار حلقہ محض اسی لیے قائم کیا گیا ہے کہ ایک شہر کے سب بھائی ہفتہ میں کم از کم ایک دن تو آپس میں مل بیٹھیں۔ اپنی کہیں، دوسروں کی سنیں اور اگر کسی بھائی پر کوئی مصیبت پڑی ہو تو اس کو سب مل کر دور کرنے کی کوشش کریں یا اگر کسی بھائی کو کوئی خوشی کا موقعہ میسر آیا ہو تو سب مل کر اس کی خوشی کو دوبالا کریں۔ ایسے موقعوں پر اگر ساتھ کھانے پینے کا بھی کچھ بندوبست ہو جائے تو سبحان اللہ۔ میرے خیال میں تو ہر شخص یہ جانتا ہو گا کہ اس قسم کی صحبتوں اور خصوصاً دعوتوں کی شرکت سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور ارتباط باہمی کو ترقی ہوتی ہے۔ ایسی مجلسوں کے لیے تو عام لوگ ناچ رنگ، گانے بجانے اور کھیل تماشوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن آپ خود غور کریں کہ جہاں کہیں ایسی صحبتوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر خیر ہو اور اللہ کے نام پر لوگ اکٹھے ہوں تو ان مجلسوں کی خیر و برکت کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ ہمارے حلقے کے بہت سے احباب اس نکتہ پر بالکل غور نہیں کرتے۔ بہت سے تو ایسے ہیں جو صرف میرے یا دوسرے پیر بھائیوں کے دکھانے کو محض رسماً شریک ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان سے بھی عجیب تر وہ بھائی ہیں جو اس ہفتہ واری حلقہ ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور اس میں شریک ہونے کے بعد سمجھ لیتے ہیں کہ بس ہم نے ذکر اللہ کا حق ادا کر دیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ گھر پر روزانہ ذکر نہیں کرتے۔ ہفتہ کے ہفتہ ذکر کر لینے ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو روحانیت کا کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ روحانی ترقی تو انہی لوگوں کی ہوتی ہے جو بتائے ہوئے طریقے کے مطابق روزانہ ذکر کرتے ہیں اور ہفتہ وار حلقوں میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

## ۲۔ عام میل ملاقات:

حلقہ کے بھائیوں کو چاہیے کہ ہفتہ وار حلقہ ذکر کے علاوہ اور دنوں میں بھی جہاں کہیں اور جب کبھی ممکن ہو میل ملاقات کی صحبتیں گرم کیا کریں اور جتنی بھی زیادہ دیر تک ممکن ہو ایک

دوسرے کی صحبت میں بیٹھیں۔ چونکہ ان صحبتوں میں لغو اور فضول باتیں نہیں ہوں گی۔ صرف اللہ اور رسول ﷺ کا ذکر اور دوسری نیک اور مفید باتیں ہوں گی تو اس سے باہمی ربط وضبط کے علاوہ روحانی طاقت بھی بڑھے گی۔ افسوس ہے کہ حلقہ کے اکثر لوگ اپنے پیر بھائیوں کی صحبت میں بیٹھنے کا کوئی التزام نہیں کرتے۔ یہ لوگ بدنصیب ہیں ان کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کن کن دنیوی اور روحانی نعمتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔

۳۔ خط و کتابت:

شیخ حلقہ اور اپنے پیر بھائیوں سے خط و کتابت کرنے اور ان سے اپنے نجی کاموں میں مشورے لینے اور ممکن امداد طلب کرنے سے بھی ربط وضبط قائم رہتا اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ سلسلہ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شیخ سلسلہ ان میں سے ہر ایک کو یاد نہیں رکھ سکتا اور جو آدمی یاد ہی نہ ہو اس کے لیے دعا کیسے ہو سکتی ہے اور خاص فیض کس طرح پہنچایا جا سکتا ہے۔ ہمارے حلقہ میں بھی بہت سے آدمی ایسے ہیں جو مرید ہونے کے بعد سے پھر کبھی ملے ہی نہیں۔ مجھے نہ ان کا نام یاد ہے نہ صورت۔ بتایئے میں ان لوگوں کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہوں۔ خدا جانے یہ لوگ حلقہ کی تعلیم پر عمل بھی کرتے ہیں یا نہیں' ہاں ایک بات ضرور ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو فوراً خط لکھتے ہیں اور خط میں ایک دو نہیں بلکہ پوری فہرست لکھ دیتے ہیں کہ اس کام کے لیے دعا کیجیے اور اس کام کے لیے دعا کیجیے۔ یہ مشکل آسان فرمایئے' یہ عقدہ حل کیجیے اور وہ پریشانی دور فرمایئے۔ غالباً یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مرید ہو کر پیر صاحب پر بڑا احسان کیا ہے اور پیر ہی اس بات کا واحد ذمہ دار بلکہ ٹھیکیدار ہے کہ وہ کچھ کریں نہ کریں پیر ان کی دنیا اور دین کے تمام کام خود انجام دے۔ بعض آدمی کہتے ہیں کہ ''اچھا تو صرف یہ بتا دیجیے کہ یہ کام ہو گا بھی یا نہیں اور ہو گا تو کب تک ہو گا۔'' گویا کہ پیر قادرِ مطلق ہے کہ ان کی تقدیر کو بدل سکتا ہے

اور عالم الغیب بھی ہے جو بتا سکتا ہے کہ فلاں کام ہوگا بھی یا نہیں اور ہوگا تو کب تک ہوگا۔

یادرکھیے! اپنے مرشد سے اس قسم کے سوال کرنا اس کی انتہائی تذلیل و توہین ہے۔ ایک طرف تو یہ لوگ مرشد کو قادر مطلق مان کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں جس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ دوسری طرف اس کو ارشاد کی گدی سے اتار کر فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے نجومی یا پامسٹ کے برابر لا بٹھاتے ہیں۔ ''تعمیر ملت''، ''طریقت توحیدیہ'' خطبوں اور ذاتی خطوں میں میں نے تو بار بار یہی لکھا ہے اور تقریروں میں ہزاروں بار یہی کہا ہے کہ مجھ میں مطلق یہ طاقت نہیں کہ تمہارے بگڑے کام بنا سکوں، تمہاری تقدیر بدل سکوں یا تمہاری مشکلیں آسان کرسکوں۔ میں تو خود ایک عاجز انسان ہوں۔ مجھ پر خود ساری عمر مصیبتیں پڑتی رہیں مگر کسی ایک کو بھی دور نہ کرسکا۔ ہاں یہ میں ضرور کرسکتا ہوں کہ تمہارے لیے دعا کردوں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمہیں خدا اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے ہدایت کے راستے کی نشان دہی کردوں تا کہ اس راستہ پر کچھ عرصہ ثابت قدمی سے چلنے کے بعد خود تمہارے دلوں میں وہ بات پیدا ہو جائے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے لگیں اور جو قبول نہ ہوں ان پر تم کو صبر آ جائے۔ افسوس کہ یہ لوگ اس بات کی قدر ہی نہیں جانتے اور میرا کہا بالکل نہیں مانتے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مجھ سے تو بیسیوں ایسی باتوں کی فرمائش کی جاتی ہے جن کا پورا کرنا میرے اختیار میں نہیں صرف خدا کے اختیار میں ہے اور خود ان دو چار باتوں پر بھی عمل نہیں کرتے جو میں نے انہی کے فائدے کے لیے ان کو بتائی ہیں اور جن کا کرنا ان کے اختیار میں ہے۔ اللہ ان کو ہدایت دے۔ آمین!

## ۴۔ سالانہ اجتماع:

یہ اجتماع بھی اسی لیے مقرر کیا گیا ہے کہ جن بھائیوں کو کبھی ملنے کا اتفاق نہ ہوتا ہو وہ یہاں مل کر ایک دوسرے کے اور نزدیک ہو جائیں اور یہ ملاقات ازدیادِ محبت کا باعث ہو۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہاں بھی اکثر بھائی صرف انہی دوستوں سے ملتے اور تین دن تک انہی کی

صحبت میں رہتے ہیں جن کو وہ پہلے سے ہی عزیز رکھتے ہیں۔اس لیے میں سب بھائیوں کو خاص طور پر ہدایت کرتا ہوں کہ یہ خطبہ ختم ہونے کے بعد سے اجتماع کے ختم ہونے تک ہر ایک آدمی نئے نئے بھائیوں سے ملے اور زیادہ وقت انہی کی صحبت میں گزارے۔اس بات کا تو میں گمان بھی نہیں کرسکتا کہ ہمارے حلقہ میں کوئی آدمی ایسا بھی ہوگا جو اپنے سے غریب یا کم علم بھائی سے ملنے میں عار محسوس کرتا ہو۔پھر بھی میری ہدایت یہی ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے بھائیوں سے ملو جو تم سے مرتبہ، علم یا دولت میں کمتر ہیں۔اس سے تین فائدے ہوں گے ایک تو یہ کہ اگر تمہارے اندر غرور کا کوئی شمہ بھی ہے تو ختم ہو جائے گا۔دوسرے یہ کہ غریب بھائی امیروں اور عالموں سے ملنے میں جو جھجک محسوس کرتے ہیں ان کی اس جھجک اور احساس کمتری کا خاتمہ ہوگا۔تیسرے یہ کہ ہر ایک کے دل میں محبت کا چراغ اور زیادہ منور ہو جائے گا جو اس حلقہ کی تعلیم کا ایک خاص مقصد ہے۔

## ۵۔ماہوار فنڈ:

ویسے تو یہ فنڈ غریب اور ضرورت مند لوگوں کی مدد کے لیے قائم کیا گیا ہے لیکن غور کریں تو اس کی وجہ سے بھی حلقہ کے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم رکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔جو لوگ فنڈ میں حصہ لیتے ہیں وہ نہ صرف ثواب کماتے ہیں بلکہ ظاہر ہے کہ ان کو حلقہ کی فلاح و بہبود کا کچھ نہ کچھ خیال ضرور رہتا ہے۔برخلاف اس کے جو لوگ نہ تو ذکر اذکار کرتے ہیں نہ ہفتہ وار حلقوں میں شریک ہوتے ہیں نہ فنڈ ہی میں حصہ لیتے ہیں ان کی بابت کس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حلقہ میں شامل ہیں۔میں تو ان لوگوں کو حلقہ کا کارکن ہی نہیں سمجھتا۔یہی وجہ ہے کہ ان کو بیعت ہونے کے بعد کوئی روحانی یا دنیوی فائدہ نہیں ہوتا۔

الغرض! یہ ہیں وہ طریقے جو میں نے حلقہ کے بھائیوں میں ربط و ضبط اور تعلق قلبی پیدا کرنے کے لیے بنائے ہیں۔اگر ان طریقوں کے علاوہ کسی بھائی کے ذہن میں ازدیاد ارتباط و تنظیم کا کوئی اور طریقہ موجود ہو یا آئندہ سمجھ میں آئے تو اسے چاہیے کہ مجھ کو بتادے یا لکھ دے

میں بہت ممنون ہوں گا۔اب میں حلقہ کی تعلیم کا سرسری سا حال بیان کر کے یہ بتاؤں گا کہ حلقہ کے احباب نے اس پر کہاں تک عمل کیا ہے۔

حلقہ کی تنظیم کے وقت تک مجھے کبھی اس بات کا خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اس حلقہ کا کوئی نیا نام رکھنا چاہیے اور تعلیم کو آسان کر دینا چاہیے۔

میں نے خود سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا سلوک طے کیا تھا اور جو لوگ حلقہ میں شریک ہوتے تھے ان کو بھی یہی کہتا تھا کہ ہم نقشبندی ہیں۔مگر جب ہم نے حلقہ کی تنظیم شروع کی تب یہ خیال آیا کہ حلقہ کی تنظیم اور تعلیم موجودہ زمانہ کے حالات ومقتضیات کے مطابق ہونی چاہیے ورنہ کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہو سکے گا۔آپ جانتے ہیں کہ پہلے جتنے بھی سلسلے موجود ہیں ان سب میں اس قدر زیادہ اوراد و وظائف پڑھنے کو بتائے جاتے ہیں کہ اگر انسان ان کو پوری طرح ادا کرے تو حصول معاش کے لیے وقت ہی نہیں بچتا۔اس کے ساتھ ہی نفس کشی کے لیے اتنے سخت مجاہدے اور ریاضتیں ضروری ہیں کہ اس زمانہ کے نازک مزاج اور نحیف الجثہ لوگ کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکتے میں نے ضروری سمجھا کہ سلوک کو قابل عمل بنانے کے لیے اسے مختصر اور آسان کیا جائے۔اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی خیال آیا کہ پرانے مروجہ سلسلوں میں اپنے پیروں اور فوت شدہ بزرگوں کے مزاروں کی عزت اس قدر مبالغے سے کی جاتی ہے کہ وہ پرستش کی حد تک پہنچ گئی ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔باوجود ازیں اگر کوئی سالک روحانیت حاصل بھی کر لے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی نسبت اپنے شیخ یا کسی فوت شدہ بزرگ سے قائم ہو جاتی ہے۔یہ لوگ حضور اکرم ﷺ تک بھی نہیں پہنچ پاتے' خدائے برتر و توانا کا تو ذکر ہی کیا ہے۔اور تو اور خود میں نے جب سلسلہ نقشبندیہ کا سلوک طے کر لیا۔یعنی لطائف کھل گئے اور ان کے دوائر کی سیر کر لی اور مجھے خلافت مل گئی تو میں نے اپنے مرشد جناب مولانا کریم الدین احمدؒ سے عرض کیا کہ قبلہ میں تو اس غرض سے بیعت ہوا تھا کہ مجھ کو خدا کا قرب اور معرفت یا قسمت میں ہو تو دیدار حاصل ہو جائے وہ تو کچھ بھی نہ ہوا اور یہ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ تو میرے نزدیک کچھ بھی نہیں۔تو انہوں نے

بھی کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور فرمایا کہ سلسلہ کے سلوک میں تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ خدا کی طلب ہے تو صبر کرو۔ قسمت میں ہے تو کوئی سامان ہو جائے گا۔

مختصر یہ کہ حلقہ کی تنظیم کرتے وقت یہ سب حالات میرے پیشِ نظر تھے اور یہ سب باتیں میرے ذہن نشین تھیں۔ کئی ماہ تک دن رات غور و فکر کرتا رہا کہ کیا کرنا چاہیے۔ مگر کچھ بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ یکا یک ایک دن بجلی کی طرح ایک خیال دماغ میں آیا کہ سلسلہ کا نام توحیدیہ رکھنا چاہیے اور تعلیم کی اساس و بنیاد خالص توحید پر ہونی چاہیے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ القاء تھا یا محض خیال مگر طبیعت اس پر جم گئی کہ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ میں نے پہلے "تعمیر ملت" لکھی اور اس میں توحید باری تعالیٰ پر خاصے مدلل اور مسکت انداز میں بحث کی اور اس کے فوائد ایسی روشن دلیلوں سے ثابت کیے کہ شاید کوئی آنکھوں کا اندھا ہی ان سے انکار کر سکے۔ اس کے بعد میں نے "طریقت توحیدیہ" تحریر کی اور اس میں حلقہ کی تعلیم اور تنظیم صاف صاف قلم بند کر دی اور توحید کے متعلق اپنے عقائد کھول کھول کر بیان کر دیئے لیکن افسوس کہ دوسرے تو رہے الگ خود میرے اپنے حلقہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خالص توحید کو نہیں مانتے۔ دوسروں سے تو مجھے کوئی غرض نہیں کوئی کچھ بھی مانا کرے۔ میرے پاس دوسروں سے بحث مباحثہ کرنے بلکہ لڑنے جھگڑنے کے لیے فالتو وقت ہی نہیں۔ بقول اکبرالہ آبادی

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

مگر اپنے حلقہ والوں سے تعرض کیے بغیر تو کسی طرح بھی نہیں رہ سکتا۔ اگر میں اتنا بھی نہ کروں تو حلقہ توحیدیہ قائم کرنے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ آج میری زندگی میں جب میرے حلقہ میں کچھ مشرک گھس آئے ہیں تو میرے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

یہ لوگ اللہ کے سوائے اور بھی چند ہستیوں کو قادر و توانا مانتے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ اولیاء اللہ بھی انسان کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ جس کو چاہیں بنا سکتے ہیں اور جس کو چاہیں بگاڑ سکتے ہیں۔

بس یہی بات شرک ہے۔ اگر وہ یوں مانیں کہ یہ طاقت صرف اللہ ہی کو ہے کہ وہ لوح محفوظ پر اپنے لکھے ہوئے کو مٹا کر جو چاہے لکھ سکتا ہے اور وہ اپنے کسی مقبول بندے کی دعا سے کبھی کبھی ایسا کر بھی دیتا ہے تو یہ لوگ شرک سے بھی بچ جائیں اور اولیاء اللہ کی بزرگی اور عظمت بھی قائم رہے۔ سورہ رعد میں ارشاد ہوتا ہے:

یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ (الرعد: ۳۹)

یعنی ''اللہ جو چاہتا ہے لوح محفوظ سے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے اس میں باقی رکھتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے۔'' پس اگر یہ لوگ یوں مانیں کہ اپنے کسی پیارے بندے کی دعا سے اللہ تعالیٰ لوح محفوظ یعنی تقدیر کے لکھے کو مٹا بھی دیتا ہے تو بتایئے اس میں کیا قباحت ہے۔

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر نہیں خدا تھے (نعوذ باللہ) یعنی اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی شکل میں خود اس زمین پر نازل ہوا تھا کہ اپنے گمراہ بندوں کو ہدایت کرے۔ چنانچہ ان کا قول ہے کہ احد اور احمد ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔ احد یعنی اللہ میم کا برقعہ اوڑھ کر احمد بن کر زمین پر آیا۔ قرآن میں ایک نہیں دو نہیں بیسیوں آیتیں جن میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ بشر تھے۔ احادیث میں بھی بیسیوں حدیثیں ایسی ہیں جو حضور ﷺ کے بشر ہونے کا عین ثبوت ہیں۔ لیکن جب قرآن اور احادیث کے علی الرغم کوئی اپنی ضد پر اڑا رہے تو ایک حق پرست کے پاس سوائے خاموشی کے اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سورہ کہف میں ہے:

''ان سے کہہ دیجیے کہ بے شبہ میں تم ہی جیسا آدمی ہوں البتہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلاً

''کہہ دیجیے کہ سبحان اللہ میں تو آدمی ہوں لیکن رسول ہوں۔'' سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۵۱ میں ہے کہ ''ہم نے تم میں ہی سے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا۔'' سورۃ یونس آیت ۴۹ میں ہے ''کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے ذاتی فائدے اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا۔'' سورۃ جن آیت ۲۱ میں ہے: ''کہہ دیجیے میرے ہاتھ میں نہیں تمہارا برا بھلا یا راہ پر لانا۔'' سورۃ اعراف آیت ۱۸۸

میں ہے: ''کہہ دیجیے کہ میں تو مالک نہیں اپنی جان کے برے بھلے کا بھی۔'' سورۃ انعام آیت ۵۰ میں ہے'' کہہ دیجیے کہ نہ میرے پاس خزانے ہیں اور نہ میں غیب دان ہوں نہ میں فرشتہ ہوں۔''
سورۃ زمر آیت ۳۰ میں ہے'' اے پیغمبر تم بھی مرجاؤ گے اور یہ بھی مرجائیں گے۔''

الغرض! بے شمار آیتیں ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ بشر ہیں۔ ان تمام آیات کے علاوہ سورہ اخلاص میں کس قدر صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (اخلاص:۳) ''نہ اس نے کسی کو جنا ہے نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے۔'' اب دنیا جانتی ہے کہ حضور ﷺ تو حضرت بی بی آمنہ کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔ اس پر بھی کوئی اپنی ضد پر اڑا رہے تو اس کا کیا علاج۔ یہ تو تھا قرآن۔ کتب احادیث میں بھی ایسی بے شمار حدیثیں ہیں مثلاً بخاری اور ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ کو بھوک کی شدت اسی طرح محسوس ہوتی تھی جس طرح عام آدمیوں کو محسوس ہوتی ہے۔ بیہقی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کو بچھو نے کاٹا تو اس پر اسی طرح دم کیا گیا جس طرح عام آدمیوں کو کیا جاتا ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ کو زہر کھلایا گیا تو اس کا اثر ویسے ہی ہوا جیسے کہ عام آدمیوں پر ہوتا ہے۔ بخاری ہی میں ہے کہ حضور ﷺ زخمی ہوئے اور حضور ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تو حضور ﷺ کے خون نکلا اور حضور ﷺ کو اسی طرح تکلیف محسوس ہوئی جیسے کہ عام آدمیوں کو ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ بیمار بھی ہوئے۔ حضور ﷺ نے کئی نکاح بھی کیے اور آپ ﷺ کے اولاد بھی ہوئی۔ پھر یہ کہ حضور ﷺ نے عام آدمیوں کی طرح رحلت فرمائی اور دفن کیے گئے۔ کیا یہ سب آیتیں اور حدیثیں انسان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ انہی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کا جسم اطہر مادہ کا بنا ہوا نہ تھا بلکہ نور کا بنا ہوا تھا۔

مندرجہ بالا آیات اور احادیث اس عقیدے کا بھی بطلان کرتی ہیں مگر جب کوئی ان آیات و احادیث پر غور ہی نہ کرے تو میں اور آپ اس کا کر ہی کیا سکتے ہیں۔ دراصل یہ لوگ نہ نور کے اصلی

معنی سے واقف ہیں نہ ظلمت کے۔ ظاہر بین آنکھوں کو جو نور اور اندھیرا نظر آتا ہے یہ صرف اتنا ہی جانتے ہیں۔ اگر واقعی یہ لوگ ان الفاظ کے لفظی معنی ہی لیتے ہیں تو بھی غلطی پر ہیں۔ مگر ان کو اپنی غلطی اس لیے نظر نہیں آتی کہ وہ غور وفکر نہیں کرتے۔ اگر وہ ذرا بھی غور کریں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ دیکھئے یہ لوگ جو حضور اکرم ﷺ کے مقدس ومطہر جسم کو نور مانتے ہیں تو یقیناً خدا کا نور ہی مانتے ہوں گے۔ ایسا نور تو ہرگز نہ مانتے ہوں گے جیسا کہ جلتی ہوئی دیا سلائی کا نور یا موم بتی کا‘ چراغ یا بجلی کے بلب کا‘ یا اس سے بھی بڑھ کر ستاروں‘ چاند اور سورج کا نور۔ اب اگر یہ غور کریں تو ان کو معلوم ہو کہ ہر بڑے اور تیز نور کے سامنے اس سے چھوٹا اور کمتر نور مدہم یا بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس کمرے میں مٹی کے تیل کا چراغ یا ۱۵ کی پاور کا بلب جل رہا ہو وہاں اگر ہزار کینڈل پاور کا بلب روشن کر دیا جائے تو مٹی کے تیل والے چراغ اور ۱۵ نمبر کے بلب کی روشنی بالکل ہی غائب ہو جائے گی حالانکہ وہ وہیں موجود ہوگی۔ اب اس ناقابل تردید ثبوت کی روشنی میں غور کیجیے کہ اگر حضور ﷺ کا جسم خدا کا نور تھا تو اس نور کے سامنے دن کے وقت سورج کی اور رات کے وقت چاند کی روشنی ماند کیوں نہیں پڑ جاتی تھی اور مزید برآں یہ کہ خود حضور ﷺ کو رات کے وقت چراغ روشن کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی تھی۔ سورج اور چاند تو خدا کی بہت سی ادنیٰ مخلوق ہیں پھر اس مادی مخلوق کا نور خود خدا کے نور کی موجودگی میں ماند نہ پڑے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

# بنیادی سوال

(قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

بنی نوع انسان کے لیے سب سے اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ انسانی زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ کیا انسان بھی کرۂ ارض پر بسنے والے دوسرے حیوانوں کی طرح ایک عام سا حیوان ہے یا ان سے منفرد اور مختلف کوئی خاص ہستی ہے؟ اور یہ بھی کہ کیا انسان کی زندگی کی ابتدا رحمِ مادر ہی سے شروع ہوتی اور موت پر ختم ہو جاتی ہے یا حیاتِ ارضی کا عرصہ انسان کی تربیت اور امتحان کے لیے مخصوص ایک نہایت ہی مختصر سی مدت ہے؟ جب تک اس سوال کا درست اور مفصل جواب تلاش نہ کیا جائے، یہ طے کرنا ناممکن ہے کہ مجموعی طور پر کس قسم کا نظامِ حیات بنی نوع انسان کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار کر سکے گا۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ اربوں سال پہلے جب یہ زمین وجود میں آئی تو اس پر سب سے پہلے زندگی کا آغاز نباتات کی صورت میں ہوا اس کے بعد بالترتیب سمندری حیوانات، خشکی پر رینگنے والے جانور، چوپائے اور پرندے وجود میں آئے اور سب سے آخر میں انسانی زندگی کا آغاز ہوا۔ حیات کے اس ارتقائی سفر کا مطالعہ کریں تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ سورج، ہوا، پانی اور مٹی کے عناصر کے تعاون سے نباتاتی زندگی وجود میں آئی۔ گویا نباتات کی پیدائش اور پرورش کے لیے جمادات نے بنیاد فراہم کی۔

اس سے اگلے مرحلے میں حیوانات کا ظہور ہوا تو انہوں نے اپنی غذا نباتات سے حاصل کی۔سب سے بعد ظہور میں آنے والا حضرت انسان زمین سے اگنے والے پتوں، پھلوں، غلوں اور سبزیوں کے علاوہ حیوانات کو بھی اپنی غذا اور دوسری ضروریات کے لیے استعمال کرتا ہے اور ساتھ ہی سورج ، ہوا ،پانی اور مٹی سے بھی استفادہ کرتا ہے۔ زندگی کے مراحل کی اس ترتیب سے حیاتیاتی طور پر انسان کی نمایاں اور برتر حیثیت کا اظہار ہوتا ہے اس کے علاوہ ایک اور حقیقت بھی قابل غور ہے کہ زمین وفضا اور خلا میں بے شمار طاقتیں اور لاتعداد چیزیں انسانی زندگی کی بقا اور ترقی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔انسان ان سب سے کچھ نہ کچھ حاصل کر کے مختلف فائدے اٹھا رہا ہےلیکن ان کی زندگی میں انسان کا کوئی حصہ نہیں ہے اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا گیا ہے چنانچہ ہم اس حقیقت کے قائل ہیں کہ سورج، چاند، زمین، آسمان، ہوا، پانی، آگ، مٹی ،درخت ،جنگل، پہاڑ، کیڑے مکوڑے، چرند، پرند سب انسان کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اس طرح برقی قوت، مقناطیسی قوت، کاسمک شعاعیں ،ریڈیائی لہریں اور کشش ثقل کے علاوہ ان گنت مخفی قوتیں جو ابھی تک ہمارے احاطہ علم میں نہیں آسکیں ۔انسان کی زندگی میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اگر چند ایک چیزیں مفقود ہو جائیں تو انسانی زندگی تعطل ،جمود اور انحطاط کا شکار ہو کر رہ جائے بلکہ ممکن ہے سرے سے انسانی وجود ہی باقی نہ رہے۔ اس کے برعکس اگر انسان اس دنیا میں نہ ہوں تو باقی ہر شے اپنی جگہ برقرار رہے گی اور ان کی حیات یا وظیفہ عمل میں قطعاً کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔کائنات کے ساتھ انسان کا یہ تعلق بھی ثابت کرتا ہے کہ کائنات تو انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔لیکن انسان کی تخلیق اس مادی دنیا کے لیے نہیں بلکہ اس سے کہیں ارفع واعلیٰ مقصد کے لیے کی گئی ہے بقول علامہ محمد اقبالؒ:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
مقام پرورش آہ ونالہ ہے یہ چمن
نہ سیر گل کے لئے ہے نہ آشیاں کے لئے

اس کے علاوہ زندگی کے ارتقاء کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جس حیات نے جمادات سے جنم لیا اور پیچیدہ اور حیوانی مراحل طے کرتی ہوئی کروڑہا سالوں میں انسانی صورت میں ظہور پذیر ہوئی اسے زمان و مکان کی حدود سے گزر کر آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔اس طرح یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حیات ارضی کے بعد اس سے بھی اعلیٰ اور برتر زندگی کا وجود ارتقاء حیات کا منطقی نتیجہ ہوگا۔ ان دلائل کے علاوہ انسان کا وجدان بھی اس حقیقت کو محسوس کرتا ہے اور اس کے باطن کی گہرائیوں میں یہ سرگوشیاں ہوتی رہتی ہیں کہ مجھے مٹ جانے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ موت کی کٹھن منزل سے گزر کر بھی میں کسی نہ کسی صورت میں ضرور زندہ رہوں گا اور اس دنیا میں جو ظالم اور بدکردار لوگ عیش وعشرت کرتے رہے اور دنیوی عدالتوں کی سزاؤں سے بچ گئے اور پاک اور نیک انسان سختیاں جھیلتے رہے،ان کے ساتھ دوسری دنیا میں پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔

# نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

ہمارے ایک بھائی آئے ہوئے تھے۔ ان کا بیٹا چین میں پڑھ رہا تھا۔ بابا جانؒ نے اس کا حال پوچھا اور پھر فرمانے لگے کہ اچھا ہے!!! چینی جان لے بندہ تو اچھا ہی ہے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ دو چار چائنیز ٹائپ بندے تیار ہو جائیں، ان کو چائنہ میں مبلغ بنا کے بھیجا جائے۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے لکھا ہے کہ وہ مبلغ بھی Paid بنائے جائیں تنخواہ دار مبلغ رکھے جائیں۔ جن کو پیسے دیے جائیں اور وہ تبلیغ کریں۔ میرا تو یہ جی چاہتا ہے، ویسے چائنہ اچھا فیلڈ ہے کام کرنے کے لئے۔ نیا فیلڈ ہے۔ مسلمانوں کے خلاف ان کی کوئی پرانی Prejudice نہیں ہے۔ تعصب نہیں ہے۔ قرآن کریم میں بھی لکھا ہے کہ

لَا يَنۡهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ (سورۃ الممتحنہ ٦۰۔ آیت ۸)

''جنہوں نے تمہارے خلاف جنگ نہیں لڑی اور گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یہود و نصاریٰ نے تو ہمارے خلاف جنگیں لڑی ہیں۔ وہ تعصب ان میں پھیلا ہوا بھی ہے، اسے وہ اپنی قوم میں بھی پھیلاتے ہیں۔ یہ چینی تو اچھے ہیں ہمارے ساتھ۔ ہماری دوستی تو سمندر سے بھی گہری ہے۔ ویسے بھی وہ بڑے Tricky اور Crockid نہیں ہیں ہماری طرح کے سیدھے سادے لوگ ہیں۔ کام کرنے والے لوگ ہیں۔ سیدھے ہیں، وہاں کام ہو سکتا ہے۔ وہاں سنکیانگ (Xinjiang) صوبہ میں مسلمانوں کی کافی تعداد ہے۔ کہتے ہیں کہ کروڑوں میں ہیں۔ کروڑوں نہ سہی چلو لاکھوں میں تو ہیں۔ ایک صحابی کا مزار بھی اُدھر ہے۔

ایک بھائی نے کہا کہ وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہیں۔ باباجانؒ نے کہا کہ وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تو نہیں ہیں بہر حال کوئی اور ہے لیکن ہے یہی اس نام کا۔ اُن سعد بن ابی وقاصؓ کا تو پتا ہے کہ وہ کہاں پر ہیں۔ بھائی نے کسی علاقے کے فتح کرنے کی بات کی کہ یہ انہوں نے فتح کیا ہے۔ باباجانؒ نے کہا کہ ٹھیک ہے فتح کیا ہو گا لیکن واپس چلے گئے ہوں گے، لیکن ان کا مزار کسی اور جگہ پر ہے۔ یہ ہے کہ مشہور ہو گیا کہ یہ سعد بن ابی وقاصؓ ہیں لیکن وہ سعد بن ابی وقاصؓ جو فاتح ایران ہیں، وہ نہیں ہیں۔ بہر حال ادھر ہے کسی ایک صحابیؓ کا مزار۔ تاجر لوگ تھے، وہ تو آتے جاتے تھے۔ وہاں کافی تعداد ہے مسلمانوں کی۔

اگر ان کے ساتھ کوئی کام کیا جائے تو یہ اچھے لوگ ہیں۔ دوسرے صوفیاء نے کیا تو آپ کے لئے بھی میدان ہے۔ سلسلہ توحیدیہ کے لئے بھی کوئی ادھر کام کرے تو اچھا ہے۔ کوئی Chinese سیکھ لے۔ ان کے ساتھ شکل ملتی جلتی ہو، چینی ٹائپ ہو۔ اس طرح ادھر کام کیا جائے تو بڑا اچھا Field ہے۔ نئے لوگوں پر کام کرنا چاہئے۔ ویسے بھی وہ مستقبل کی سپر پاور ہے۔ Rising power ہے۔ اس کے ساتھ ہی کام کرنا چاہئے۔ ویسے تو چلو سارے انسان ہیں، اللہ کا کلام تو ہر ایک کے لئے ہے۔ ماننا یا نہ ماننا ان کی مرضی ہے لیکن جو ابلاغ ہے وہ ہر جگہ ہونا چاہئے۔ اللہ کے حکم کے مطابق ہونا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں گے، تم ساری دنیا پہ گواہ ہو گے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً ۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۱۴۳)

امت کو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ تم پر گواہی دیں گے اور آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر کہا بھی کہ کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟ سب نے کہا کہ ہاں آپ ﷺ نے پہنچا دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ گواہ رہنا۔ مان رہے ہیں، میری تصدیق کر رہے ہیں۔ آگے کہا کہ تم نے پوری دنیا پر گواہی دینی ہے۔ اب یہ تو اللہ کی دی ہوئی ڈیوٹی ہے۔ اس کو ہم نہ مانتے ہیں، نہ اس کے لئے کام کرتے ہیں۔ نالیاں پکی کرا دو، چینی سستی کرا دو، Leadership کے

بس یہی کام ہیں۔اللہ کی دی ہوئی ڈیوٹی کا نام ہی کہیں نہیں ہے کہ یہ ڈیوٹی بھی ہم نے کرنی ہے۔ وہ کرو گے تو علامہ کہتا ہے کہ

مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات
مرگِ فرد از خشکی رودِ حیات

قوم تب مرتی ہے جب اس کو مقصودِ حیات بھول جاتا ہے۔ایک فرد کی موت جو ہوتی ہے وہ اس طرح ہوتی ہے کہ جیسے ایک چراغ جل رہا ہوتا ہے، جب تیل ختم ہو جاتا ہے تو وہ مر جاتا ہے قوم تب مرتی ہے جب یہ اپنے مقصودِ حیات کو بھول جاتی ہے۔یہ بھول جاتی ہے کہ ہمارا کیا کام ہے اس کے ذمہ بڑا کام کیا تھا جو اللہ نے دیا۔اللہ نے کہا کہ

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔(سورۃ آلِ عمران: آیت ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے تیار کئے گئے ہو''۔

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۔(سورۃ آلِ عمران: آیت ۱۱۰)

''نیکی کی ترغیب دو گے،فروغ دو گے، برائی کو روکو گے''۔

ان کے لئے اللہ نے کہا ہے کہ تم میری مدد کرو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔تمہارے دین کو غالب کر دوں گا اور تم پر کوئی دنیا کی طاقت غالب نہ آسکے گی، جب تک تم اس پر قائم رہو گے وہ ہم نے چھوڑ دیا تو اب ہماری بھی کہیں شنوائی نہیں ہو رہی۔بڑے حج پر دعائیں مانگو، یا لیلۃ القدر پر مانگو، کہیں کام بنتا ہوا نظر نہیں آرہا۔

میں ایک ہی دفعہ بنوں گیا۔پنڈی میں تھا تو میں نے کہا کہ چلو باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) کا ڈیرہ ہی دیکھ کر آئیں کہ کدھر رہتے ہیں تو پروگرام بن گیا۔میں نے باباجیؒ کو خط لکھا تو کہنے لگے کہ آجاؤ۔ادھر سے فلاں بس آتی ہے، فلاں جگہ اتر جانا۔بڑا Detailed راہنمائی کی کہ وہاں سے تانگہ ملتا ہے، اتنے روپے لیتا ہے۔فلاں پارک کے فلاں کونے پر اتر جانا تو بہر حال وہاں چلا گیا۔وہاں ان سے دوران گفتگو China کی بات شروع ہوئی

کہنے لگے کہ Chon Li بھی بڑا اچھا بندہ ہے۔میں نے کہا کہ ہاں جی بڑا اچھا بندہ ہے۔اس وقت اس کا پاکستان میں آنا جانا تھا۔میں نے کہا کہ ہاں جی بہت اچھا بندہ ہے۔کہنے لگے کہ نہیں نہیں،اس کا دل بڑا اچھا ہے۔میں نے اس کا دل دیکھا ہے۔اس کا دل بڑا اچھا ہے۔میں نے کہا کہ دل کا تو ہمیں پتا نہیں۔

ہمیں بظاہر پتا ہے کہ Chinese یہ جو انٹرنیشنل ایجوکیشن ہے یا دیگر پروگرام یہ ڈیزائن کر رہے ہیں، بڑے Peaceful ہیں۔یہ نہیں ہے کہ دوسروں پر قبضہ کرلیں۔اس کی بات وہ نہیں کرتے۔جہاں بھی ہے یہ ہمارے ساتھ ہی ہیں۔انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ یہ کیا اور وہ کیا۔یہاں مارشل لاء لگا ہے تو اُنہوں نے کہا ہے کہ We are with people of Pakistan. انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ اب مارشل لاء لگا ہے تو اب ہم آپ کی مدد نہیں کریں گے، یا جمہوریت ہو۔وہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کا Internal معاملہ ہے، ہماری اس میں کوئی بات نہیں ہے۔

باباجیؒ نے کہا کہ اس کا دل بہت اچھا ہے۔پھر اُنہوں نے کہا کہ اُدھر چائنہ میں ایک ڈیوٹی والا بزرگ تھا۔وہ ڈیوٹی والا بزرگ میرے پاس آیا کرتا تھا۔وہ جوانی میں شہید ہو گیا تھا تو آج کل وہ وہاں کا صاحبِ خدمت ہے۔باباجیؒ ایسی باتیں بتایا نہیں کرتے تھے۔نہ ہی کرتے تھے۔ہمیں کہا کہ کام کرو، صحیح کرو گے تو ہو گا۔اُن پر Depend کرو گے کہ وہ صحیح کریں گے تو وہ نہیں کریں گے۔تم صحیح کرو گے تو صحیح ہو گا۔فرمایا کہ آج کل وہ وہاں کا صاحبِ خدمت ہے۔ میرے پاس کبھی ملنے کے لئے آتا رہتا ہے۔فرمانے لگے کہ میں نے اس سے کہا کہ یار تم صاحبِ خدمت ہو تو ایک کام تو کرو ہمارا۔کہنے لگا کہ بتائیں، آپ فرمائیں۔میں نے کہا کہ ان چینیوں کو ہندوستان سے لڑا دو۔اس نے کہا ٹھیک ہے، لڑا دیں گے۔پھر وہ آتا جاتا تھا تو میں نے اس کو یاد دلایا کہ میں نے تمہیں ایک کام کہا تھا۔کہنے لگا کہ جی میں کر رہا ہوں۔آپ فکر نہ کریں۔میں ان کو Hapnotize کر رہا ہوں۔آپ دیکھنا ان کو یہ آپس میں لڑ پڑیں گے۔فکر نہ کریں یہ ہو رہا ہے اب روحانی Process میں وہ کیا کیا کرتے ہیں۔اس نے کہا کہ میں کر رہا ہوں۔آپ دیکھیں تو سہی

پھر ان کی Nafa میں لڑائی ہوگئی۔ وہ بھیڑیں اٹھا کے لے گئے، ان کی جنگ ہوگئی۔ بھاگ گئے وہاں سے۔ نئی نئی طاقت ملی تھی، چائنہ سے ہاتھ پڑا تھا، بھاگ آئے سارے۔ تو پھر وہ آیا۔ کیوں جی حضرت صاحب ہم نے کرادی نا لڑائی۔ باباجیؒ نے کہا کہ ہاں یار تم تو بڑے کام کے آدمی ہو۔ تو یہ ایسے بھی Inside سرکٹ چلتا رہتا ہے۔ اس طرح بزرگ جو ہیں وہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ کیا کیا کچھ میٹنگ ہوتی رہتی ہوں گی۔

بھائی جب ایسی باتیں کرتے تھے تو باباجیؒ چڑھائی کرتے تھے کہ کیا فائدہ ہے اس کا؟ یہ جی اُدھر صاحب خدمت ہے۔ قطب ہے۔ غوث ہے۔ ان کی حکمرانی ہے، اندر ہی اندر سب یہی چلا رہے ہیں۔ باباجیؒ نے کہا کہ کیا فائدہ؟ یہ ڈیڑھ سو سال جو ہماری مٹی پلید کی انگریز ہم پر حکمرانی کرتا رہا تو کہاں تھے یہ لوگ؟ یہ کدھر تھے؟ ہماری مسجدوں میں گھوڑے باندھے گئے۔ گدھے نہیں باندھے گئے؟ کہاں تھے یہ؟ انہوں نے ہمارا حال کرایا ہے یہ؟ ایسی سیکرٹ سروس کی ہمیں کیا ضرورت ہے؟ اس کا ہم نے کیا کرنا ہے؟ .Don't worry about secret service اگر ہے تو اللہ کے حکم کے مطابق کام کرتی ہے۔ جب اللہ کہتا ہے کہ ان کی مدد کرنی ہے تو کرتے ہیں اس کے فرشتے بھی ہیں، اللہ نہیں کہے گا تو وہ نہیں کریں گے۔ ایک بھائی نے ایسا کچھ باباجیؒ کو خط میں لکھا۔ میں نے ان کا جواب پڑھا تو خوب ٹھکائی کی ہوئی تھی۔ یہ جو باتیں ہیں کہ ڈیوٹی والے ہوتے ہیں، یہ ہوتے ہیں اور وہ ہوتے ہیں۔ باباجیؒ کہتے تھے کہ کیا تھے یہ؟ انہوں نے ہماری مٹی پلید کی ہے؟ ہمیں ایسی سیکرٹ سروس کا کیا فائدہ؟ ہوتے ہیں تو ہوتے ہوں گے وہ۔

اب یہ جیسے خضر علیہ السلام کا قصہ قرآن میں دیا ہے کہ انہوں نے اس کی کشتی توڑ دی، بندہ قتل کردیا، اب یہ تو عام بندہ نہیں کرسکتا۔ تو یہ انہوں نے اللہ کے حکم سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے نہیں کیا۔ اللہ نے چاہا کہ ایسا کردیا جائے۔ اب اللہ جو چاہے کا مطلب ہے کہ یہ اُدھر کی فوج ہے۔ جو اللہ کا حکم ہوتا ہے وہ کردیتے ہیں۔ ایسے ہی یہ فرشتے جو ہیں یہ کرتے ہیں۔ جو اللہ کا حکم ہوتا ہے وہ کردیتے ہیں۔

# محض اللہ کے لیے پیار

(قبلہ محمد یعقوب خان ، شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

میں نے ابھی آپ کو بتایا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے کوئی لالچ نہیں ہے،تو کیوں پیار نہیں ہوگا۔ پیار یہی ہے کہ میں نے دیکھا کہ میرے ایک بھائی کو میری ضرورت ہے تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا اور اپنے بھائی سے کہوں گا کہ حکم کرو جناب، میں تابع دار رہوں ۔ یہ پیار ہے اور آپ جو اس کی مدد کریں گے کسی بھی طریقے سے وہ ضائع نہیں جائے گی اور وہ بھی خوش ہو جائے گا۔آپ کا بھائی خوش ہو گیا تو اللہ خوش ہو گا۔ یہ سارا آپس میں لازم وملزوم ہے۔آپس میں پیار کرو، خالص اللہ کے لیے۔میں نے اس وقت یہ بات بھی کی تھی کہ الحب للہ والبغض للہ ،حدیث مبارکہ ہے کہ جس نے غصہ کیا تو خالص اللہ کے لیے کیا اور اگر پیار کیا تو خاص اللہ کے لیے کیا، اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔ یہ حدیث مبارکہ ہے ۔ یہ اصول بنا لیں اپنا اور بقول حضور اقدس ﷺ کے ہمارا ایمان مکمل ہو گیا۔اس لیے غصہ کرو تو اللہ کے لیے کرو پیار کرو تو اللہ کے لیے کرو۔

کسی بھائی نے کہا کہ بابا جان من حیث القوم یہ شعبہ ہمارا کمزور ہے۔

بابا جان نے فرمایا! بیٹا یہ باتیں میں ابھی گوش گزار نہیں کر رہا، میں پہلے بھی متعدد بار آپ بھائیوں سے کہہ چکا ہوں کہ آپس میں پیار کرو۔ پیار کرو۔

اور باقی رہی توحید، کہ اللہ کے سوا نہ کسی سے ڈروں گا نہ ہی کسی سے توقع رکھوں گا تو یہ آپ لوگوں میں سے ہر ایک نے بیعت نامے پر دستخط کیے ہوئے ہیں۔اس میں یہ بات واضح لکھی ہوئی ہے جس پر ہم سب نے sign کیے ہوئے ہیں کہ میں سوائے اللہ کے نہ کسی سے ڈروں گا نہ کوئی توقع رکھوں گا۔

حدیث مبارکہ ہے حدیث قدسی ہے۔جس کا مفہوم کچھ یوں ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے بندے ایک تیری مرضی ہے اور ایک میری مرضی ہے۔اگر تم میری مرضی پر چلو گے تو میں وہ بھی تمہیں عطا کروں گا جو تمہاری مرضی ہے۔اگر تم میری مرضی کے مطابق نہیں چلو گے اور اپنی مرضی پر مصر رہو گے تو اس کے پیچھے تمہیں دوڑا دوڑا کے ماردوں گا۔تم دوڑتے رہو گے۔ لیکن کروں گا پھر بھی وہی جو میری مرضی ہے۔کرلو پھر! کیا منظور ہے۔کروں گا پھر بھی وہی جو میری مرضی ہے۔وہ اللہ ہے۔اب اللہ کی مرضی مان لو اور سکھی ہو جاؤ یا اپنی مرضی پر ڈٹ جاؤ اور خوار ہوتے رہو۔جو مرضی ہے تمہاری۔

باقی یہ غم،تفکر اور پریشانی اللہ کی مرضی نہ ماننے سے ہے۔اللہ کی مرضی اور آپ کی خواہش میں جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا غم اتنا زیادہ ہوگا۔جتنا یہ فاصلہ close کرو گے اللہ کی مرضی کے تابع ہو گے تو آپ کے غم،دکھ اور درد خود بخود دور ہو جائیں گے۔اللہ کی رضا اور آپ کی خواہش دونوں باتیں منطبق ہو جائیں گی تو غم ختم ہو جائے گا۔

# رحمت عالم ﷺ کا نظریہ محبت

( علامہ محمد تبسم بشیر اویسی )

اللہ تعالٰی نے انسان کی تخلیق سے پہلے کائنات کی تخلیق فرمائی۔ جس وسیع وعریض زمین پر انسان کو اپنا خلیفہ بنانا تھا، اسے جمادات ونباتات اور حیوانات سے رونق بخشی۔ آسمان کو ستاروں سے مزین کیا۔ روشنی اور حرارت کے لیے سورج اور چاند بنائے۔ زندگی کی نشو نما کے لیے پانی اور خوردونوش کے لیے انواع واقسام کے کھانے بنائے اور ایسے تمام ذرائع پہلے ہی موجود کر دیے، جن کی انسان کو ضرورت تھی تا کہ انسان اپنے خالق سے یہ شکوہ نہ کر سکے کہ اے رب العزت! مجھے تخلیق تو کر دیا لیکن میں زندگی کہاں اور کیسے بسر کروں ۔۔۔؟ پھر ان تمام ذرائع کو استعمال میں لانے کے لیے عقل جیسی نعمت سے نوازا اور ایسی خوبیاں عطا کیں جن کی وجہ سے انسان دوسرے جان داروں سے ممتاز ہوا اور اشرف المخلوقات ٹھہرا۔ قوت ادراک، فہم وفراست، بصیرت، نیکی اور بدی میں امتیاز کی صلاحیت، بدنی اور روحانی قوت۔ جرات و حوصلہ، ولولہ اور جذبات و احساسات جیسی بے مثال خوبیوں کے ساتھ انسان کو بہترین شکل وصورت بھی دی۔ اپنا دفاع کرنے کے لیے قوت غضبیہ عطا کی اور انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں اتحاد و یگانگت اور اخوت و بھائی چارے کے فروغ کے لیے جذبہ ترحم و محبت عطا کرنے کے ساتھ توحید الٰہی اور انسانیت سے محبت کا درس دینے کے لیے اپنے جلیل القدر بندوں یعنی انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا، اور پھر سب سے آخر میں اپنے حبیب مکرم حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

آپ نے آ کر خون کے پیاسوں کے درمیان الفت و محبت پیدا کر دی۔ جو لوگ سال ہا سال قتل و غارت گری میں مصروف رہتے تھے، انہیں ایک دوسرے کا ہمدرد و غم خوار بنا دیا۔ جس کا ذکر اللہ رب العزت اپنے پاک کلام میں یوں فرماتا ہے:

''اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو، جو اس نے تم پر کی۔ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ پھر تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔''

اگر ہم نبی اکرم ﷺ کے ارشادات عالیہ ملاحظہ فرمائیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ واقعی نبی اکرم ﷺ اس کائنات میں محبت کا درس دینے کے لیے مبعوث ہوئے اور یہ بھی کہ اسلام امن و آشتی کا دین ہے۔ اسلام کا دہشت گردی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے اور جو دہشت گرد ہیں وہ مسلمان ہی نہیں ہیں۔

ایک مرتبہ ایک دیہاتی حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ کیا آپ بچوں سے پیار کرتے ہیں۔۔۔؟ ہم لوگ تو بچوں سے پیار نہیں کرتے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر اللہ نے تیرے دل سے محبت صلب کر لی ہے تو میں کیا کروں۔'' (بخاری)

نبی اکرم ﷺ نے لڑکیوں کی اچھی تربیت کرنے اور ان سے پیار و محبت سے پیش آنے پر جنت کی بشارت دی۔ (شرح السنہ)

رحمت اللعلمین ﷺ نے بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور پیار و محبت کا درس دیا۔ بلکہ خود اپنے عمل سے اس کی اہمیت کو واضح کیا۔ ''ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھر آ جانے کے بعد بھی اپنی کم عمری کی وجہ سے لڑکیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری چند سہیلیاں تھیں وہ بھی میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب حضور ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو میری سہیلیاں شرم کی وجہ سے ادھر ادھر چھپ جاتی تھیں، لیکن حضور اکرم ﷺ میری دل

بستگی کی خاطر انہیں میرے پاس بھجوا دیتے اور وہ میرے ساتھ کھیلتی رہتی تھیں۔'' (بخاری)

یتامیٰ کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جائے''۔ابن ماجہ۔

آپ ﷺ نے عامہ الناس کے ساتھ حسن سلوک اور پیار محبت کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''جو لوگ مہربانی کرنے والے ہیں ان پر رحمٰن مہربانی فرماتا ہے۔تم زمین والوں پر مہربانی کرو اللہ تعالیٰ اور آسمان کے فرشتے تم پر مہربانی کریں گے۔'' (ترمذی)

اس حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ اگر تمہاری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان رہے اور نظر رحمت فرمائے تو تمہیں چاہیے کہ ہر انسان پر خواہ وہ دوست ہو یا دشمن، مسلم ہو یا کافر مہربانی کرو۔مثلاً بھوکوں کو کھانا کھلاؤ ننگوں کو کپڑا پہناؤ، بیماروں کی خبر لو، اندھوں کو راستہ بتاؤ، مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرنے کی کوشش کرو، غرض یہ کہ ہر انسان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ کہ یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔جس انسان کے دل میں اللہ کے بندوں کے لیے شفقت و محبت کا جذبہ نہیں، وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔

آج اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں بھائی چارے، رواداری اور امن و آشتی کا دور دورہ ہو تو ہمیں رحمتہ اللعالمین ﷺ کے نظریہ محبت پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ذات باری تعالیٰ پر اپنے ایمان کو مضبوط کیا جائے اور اللہ اور اس کے آخری پیغمبر ﷺ کے احکامات پر عمل کیا جائے، یقیناً اسی میں ہماری بھلائی ہے۔

# ذیابیطس

(سید عاصم محمود)

پچھلے دنوں ایک امریکی ڈاکٹر، ریڈولسن Reed Wilson کی کتاب The Diabetes Loophole زیر مطالعہ رہی۔ آپ متبادل (آلٹرنیٹو) ادویہ کے ماہر ہیں۔ اس میں انہوں نے دورِجدید سے تعلق رکھنے والے معالجین اور ادویہ ساز کمپنیوں کے ہتھکنڈے افشاں کیے ہیں۔ یہ کتاب بنیادی طور پر غذائی طریق علاج کا پروگرام ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ غذا سے ذیابیطس مرض کا کیوں کر علاج کیا جائے! لیکن یہ صحت وتندرستی کے حوالے سے قاری کو دیگر قیمتی طبی معلومات بھی فراہم کرتی ہے۔ امریکی معالج، ریڈولسن کا دعوٰی ہے کہ دنیا بھر میں ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ذیابیطس نا قابل علاج مرض ہے مگر وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ذیابیطس قسم 2 قابل علاج ہے۔ اگر صحیح طرح سے علاج کیا جائے، تو مریض اس موذی مرض سے نجات پالیتا ہے مگر دنیا بھر کے بیشتر ڈاکٹر یہ بات چھپاتے ہیں۔

**ذیابیطس** ایک خطرناک مرض ہے کیوں کہ یہ مریض میں دیگر جان لیوا طبی علامات بھی پیدا کر دیتا ہے۔ ان میں جگر کی خرابی، بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر) موٹاپا، شکر (شوگر) کی سطح بلند ہونا اور امراض قلب نمایاں ہیں۔ ان علامات کے باعث ہر سال دنیا میں لاکھوں مرد وزن چل بستے ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحبان مریضوں کو یہ بتانے لگیں کہ ذیابیطس قابل علاج مرض ہے تو لاکھوں انسانوں کی قیمتی جانیں بچ سکتی ہیں۔

خدانخواستہ جب مرد یا عورت کو علم ہو کہ وہ ذیابیطس میں مبتلا ہے، تو قدرتاً کسی ڈاکٹر سے رجوع کرتا ہے۔ پھر علاج ہونے لگتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ علاج کے منفی اثرات بھی رکھتا ہے

سب سے بڑھ کر درج بالا علامات اسے جلد یا بدیر دبوچ لیتی ہیں کئی مریضوں کو علم ہی نہیں ہوتا کہ ذیابیطس کے باعث وہ امراض جگر یا ہائی بلڈ پریشر کا نشانہ بنے ہیں۔ چنانچہ وہ مختلف ڈاکٹروں سے اپنی علامات کا علاج کراتے ہیں۔ اس طرح وہ بھاری بل دینے، مسلسل ٹیسٹ کرانے اور انواع اقسام کی دوائیں کھانے کے شیطانی چکر میں پھنس جاتے ہیں۔ دراصل ادویہ ساز کمپنیاں اسی طریق کار کے ذریعے بھاری منافع کماتی ہیں۔ وہ لاعلم اور ناسمجھ مریضوں کو پھانس کر انہیں مہنگی ادویہ فروخت کرتی اور خوب رقم کماتی ہیں۔

سچ یہ ہے کہ جن وجوہات کی بنا پر ذیابیطس مرض جنم لیتا ہے اگر وہ ختم کر دی جائیں تو یہ بیماری بھی جاتی رہے گی۔ ڈاکٹر کو دوران علاج پتا چل جاتا ہے کہ مرض کیوں کر مریض کو چمٹا ہے مگر عام طور پر ڈاکٹر یہ وجوہ پوشیدہ رکھتے ہیں۔ کوئی سچا، ایماندار معالج مریض کو وجوہ سے آگاہ کر دے، تو اس کا بہت سا وقت، پیسہ اور توانائی بچ جاتی ہے۔ مزید برآں نت نئے علاج کراتے ہوئے مریض جس دکھ و کرب سے گزرتا ہے، وہ بھی اسے چھو نہیں پاتا۔ جب کہ بعض علاج مریض کو فائدہ دینے کے بجائے نقصان ہی دیتے ہیں۔

ذیابیطس دورِ جدید کی پیداوار ہے اور مریض کو معالجین اور ادویہ ساز کمپنیوں، دونوں نے سونے کا انڈہ دینے والی مرغی بنالیا ہے۔ ایک طرف معالجین مریضوں کا درست علاج نہیں کرتے، تو ادویہ ساز کمپنیاں دباؤ ڈال کر حکومتی اداروں سے ایسی دوائیں منظور کرا لیتی ہیں جو ذیابیطس ختم کرنے میں موثر ثابت نہیں ہوتیں۔ حد یہ ہے کہ ادویہ ساز کمپنیوں کے تنخواہ دار سائنسی ادارے بھی پرنٹ و الیکٹرانک اور ڈیجیٹل میڈیا میں ذیابیطس کے حوالے سے جھوٹی خبریں پھیلاتے رہتے ہیں۔

مثال کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ گلائیسمک نقشے (Glycemic Index) مددگار ثابت نہیں ہوتے۔ یہ غلط بات ہے۔ ذیابیطس کا علاج کرتے ہوئے یہ نقشے خوب مدد دیتے ہیں اسی طرح دنیا بھر میں یہ خبر پھیلائی گئی کہ مارجرین صحت بخش غذا ہے جو دل کو مضبوط بناتی ہے۔ یہ بھی لغو بات ہے۔ مارجرین مکھن کا عمدہ متبادل نہیں کیوں کہ اس میں پروسیس شدہ مصنوعی اجزا

شامل ہوتے ہیں۔یہی اجزا ذیابیطس پیدا کرتے ہیں۔

## ڈاکٹر راز چھپاتے ہیں:

ماہرین غذائیات کی پچاس سالہ تحقیق بتاتی ہے کہ ذیابیطس نے دراصل پروسیس شدہ غذاؤں ہی سے جنم لیا ہے۔مطلب یہ کہ کرۂ ارض پر آباد بیشتر انسان ایسی غذائیں کھاتے ہیں جو کارخانوں میں بنتی ہیں۔براہ راست زمین سے حاصل نہیں کی جاتیں۔ان غذاؤں میں بکثرت کیمیائی مادّے ملائے جاتے ہیں تاکہ مصنوعات سستی اور مزیدار بن جائیں۔انہیں تیار کرنے والی کمپنیاں انسانی صحت پر نہیں بلکہ اس امر پر توجہ دیتی ہیں کہ ان کے منافع میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔

ادویہ ساز کمپنیوں اور معالجین کی طرح غذائی مصنوعات تیار کرنے والی کمپنیاں بھی بھر پور کوشش کرتی ہیں کہ صارفین ان کا تعلق ذیابیطس سے نہ جوڑ سکیں۔وہ یہ تحقیق پوشیدہ رکھنے کی سعی کرتی ہیں کہ پروسیس غذا میں شامل چکنائیاں ذیابیطس،بلند فشار خون اور دیگر بیماریاں پیدا کرتی ہیں ان غذاؤں کے بے تحاشا استعمال سے یہ بیماریاں بھی کروڑوں انسانوں کو اپنا نشانہ بنا رہی ہیں۔

## ذیابیطس کی دو اقسام ہیں: قسم اوّل اور قسم دوم۔

قسم اوّل پیدائشی ہے اس کا علاج صرف انسولین ہارمون بذریعہ انجکشن لینا ہے۔
قسم دوم خراب طرز زندگی کے باعث انسان پر حملہ کرتی ہے مگر خصوصاً غذائی عادات بدل کر اس مرض پر قابو پانا ممکن ہے لیکن ڈاکٹر یہی راز افشا نہیں کرنا چاہتے اور وقتاً فوقتاً ذیابیطس کے نا قابل علاج ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔

(بشکریہ اردو ڈائجسٹ)

# استغفار کی اہمیت وفضیلت

(مولانا محمد یونس حنیف)

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علی سید الرسل و خاتم الانبیاء اما بعد

حضرت خواجہ حسن بصریؒ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، فقیہہ، محدث اور ولی اللہ تھے۔ان کے پاس ایک آدمی آیا،اس نے قحط سالی کی شکایت کی،آپؒ نے فرمایا استغفار کرو۔ اسی مجلس میں یا کسی اور مجلس میں ایک اور آدمی حاضر ہوا،اس نے اپنے فقر و فاقہ اور معاشی بد حالی، تنگ دستی کی شکایت کی۔آپؒ نے فرمایا: استغفار کرو۔۔۔ایک مجلس میں ایک اور آدمی آیا اس نے باغات کے خشک ہونے اور سوکھ جانے کی شکایت کی اور حل چاہا۔آپ نے فرمایا: استغفار کرو۔۔۔ایک اور آدمی آیا اور اس نے اپنے گھر میں اولاد نہ ہونے کی شکایت کی۔آپؒ نے اسے بھی فرمایا: استغفار کرو۔۔۔گویا، چار آدمیوں نے اپنے مختلف مسئلے پیش کیے اور اپنی پریشانیوں کا حل آپ سے چاہا تو آپ نے ہر ایک کو اس کی پریشانی اور دکھ درد کا ایک ہی حل بتایا کہ استغفار کرو۔اللہ کریم سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو۔آپ سے سوال کیا گیا۔حضرت! ہر پریشانی اور مسئلے کا آپ نے ایک ہی حل اور ایک ہی علاج بتایا ہے کہ استغفار کرو، استغفار کرو، یہ کیوں کر؟

آپ نے فرمایا کہ یہ حل میرا نہیں بلکہ قرآن کریم کا حل ہے اور قرآن کریم میں انبیاء کرامؑ کا بیان کردہ ہے۔سنیے! نوح علیہ السلام کے تذکرے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً ۔ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَاراً ۔ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَاراً

ترجمہ: (نوح علیہ السلام فرماتے ہیں) بس میں نے کہا اپنے رب سے بخشش مانگو (استغفار کرو) بے شک وہ بہت ہی بخشنے والا ہے۔وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائیگا۔ اور تمہاری مدد کرے گا۔مالوں اور بیٹوں کے ساتھ اور بنادے گا تمہارے لیے باغات اور بنادے گا

تمہارے لیے نہریں۔

یہی بات ہود علیہ السلام نے اپنی عاد سے کہی۔ ملاحظہ ہو۔

وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُواْ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُواْ إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاء عَلَيْكُم مِّدْرَاراً وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلاَ تَتَوَلَّوْاْ مُجْرِمِينَ

ترجمہ: ''اے میری قوم! استغفار کرو (بخشش مانگو اپنے ربّ سے پھر توبہ کرو (پلٹ آؤ اس کی طرف) وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہیں طاقت پر طاقت عطا فرمائے گا اور تم مجرم بن کر نہ پھرو''۔

ان دونوں مقامات پر توبہ و استغفار کے نتیجہ اور پھل کے طور پر دنیوی نعمتوں اور انعامات و عطایات کا ذکر فرمایا ہے کہ استغفار کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے:

۱: آسمان سے موسلا دھار بارش برسا کر قحط کو دور فرما دیگا۔ خشک سالی کے عذاب سے نجات مل جائے گی۔

۲: مال و دولت دنیا میں اضافہ فرما کر مدد فرمائے گا۔ فقر، فاقہ، معاشی بدحالی اور تنگ دستی دور ہو جائے گی۔

۳: اولاد خاص طور پر نرینہ اولاد عطا فرما کر مدد فرمائے گا۔ ماؤں کی گودیں ہری کر دے گا۔ گھروں میں رونق آجائے گی۔

۴: باغات لہلہا اٹھیں گے، کھیت سرسبز و شاداب ہو جائیں گے۔

۵: چشمے ابل پڑیں گے نہریں جاری ہو جائیں گی۔ گویا آسمان سے باران رحمت کا نزول ہوگا۔ اور زمین بھی پانی کی کمی کی شکایت نہیں کرے گی۔

کتنا میٹھا اور خوب صورت علاج ہے۔

ہر دکھ کا علاج استغفار --- ہر دکھ کا درمان، استغفار --- ہر بیماری کی دوا، استغفار --- ہر مرض کے لیے شفاء، استغفار --- یعنی پریشانی اور مصیبت کا حل، استغفار ---

صرف استغفار۔۔۔توبہ اور استغفار۔۔۔توبہ کا معنی ہے ۔پلٹ آنا ،واپس آجانا ۔کس طرف پلٹ آنا ؟ اور کس طرف واپس آجانا ؟ واپس آجانا ،پلٹ آنا اس فطرت کی طرف جس کا نام فطرت سلیمہ ہے جس پر انسان پیدا کیا گیا ۔اسلام کی فطرت ،گناہوں سے پاک زندگی۔

اوپر آپ نے دنیوی اور ظاہری بیماریوں کا علاج اور حل پڑھا،ان تمام بیماریوں اور پریشانیوں کا حل صرف توبہ اور استغفار ہے۔

توبہ اور استغفار کرنے والے کون ہیں اور ان کو قرآن کریم بشارت کیا دیتا ہے ۔سنیے! قرآن عزیز کیا کہتا ہے:۔

**التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدونَ الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ**

ترجمہ: ''توبہ کرنے والے۔۔۔عبادت کرنے والے۔۔اللہ کی حمد وثنا کرنے والے۔۔۔روزہ رکھنے والے ۔۔۔اللہ کے سامنے جھکنے والے ۔۔۔اللہ کے لیے سجدہ کرنے والے۔۔۔نیکیوں کا حکم دینے والے۔۔۔برے اور ناپسندیدہ کاموں سے روکنے والے۔۔۔اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے ۔اور خوش خبری سنا دو ایمان والوں کو''۔

گویا،توبہ کرنے والے ان صفات کے حامل ہیں کہ وہ:

اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں،ہمیشہ اس کی بندگی اور اطاعت میں رہتے ہیں اور ان کی زندگی اس کی غلامی میں گزرتی ہے، وہ ہمیشہ اس کی حمد وثنا میں رطب اللسان رہتے ہیں،

وہ اپنے نفس کی اصلاح کے لیے،بھوک اور پیاس کی شدت کو برداشت کرتے ہوئے اس کی رضا کے لیے روزہ رکھتے ہیں۔

وہ اسی کے سامنے جھکتے اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

وہ اسی کے لیے سجدہ کرتے اور اپنی انتہائی پستی کا ثبوت مہیا کرتے ہوئے اس کی

چوکھٹ پر اپنے آپ کو ختم کر دیتے ہیں۔

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑا دو
کہ بنا ہوا ہے بے دم اسی خاک آستاں سے

وہ نیکیوں کا حکم دینے والے ہیں، وہ برے کاموں سے روکنے والے ہیں
اللہ کے دین کے نفاذ اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے ہر وقت، ہمہ تن مصروف و مستعد کار رہتے ہیں۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

وہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور حدود اللہ کا احترام، پاس اور لحاظ بھی رکھتے ہیں۔

یہ ہیں توبہ کرنے والے اور یہی ہیں ایمان والے ان کی توبہ کو توبۃ النصوحا کہا گیا۔ اور ان کو اصل ایمان والے کہا گیا۔ ان صفات کے حامل، توبہ کرنے والے، استغفار کرنے والے اہل ایمان و تقویٰ کو دنیا میں بھی انعام سے نوازا گیا اور آخرت میں بھی ان کو جو انعام و اکرام ملے گا اس کی بشارت و خوش خبری دی گئی۔ قرآن عزیز کہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحاً عَسَى رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہارے گناہ دور کر دے۔ اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جس دن اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو اور ایمان والوں کو جو ان کے ساتھ ہیں، رسوا نہ کرے گا

ان کا نوران کے سامنے اوران کے دائیں دوڑ رہا ہو گا۔ یہ دعائیں کرتے ہوں گے! اے ہمارے رب کامل نور عطا فرما، اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

خالص توبہ یہ ہے کہ جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے اسے ترک کر دے اس پر اللہ کی بارگاہ میں ندامت کا اظہار کرے۔ آئندہ اسے نہ کرنے کا پکا ارادہ رکھے۔ اگر اس گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس کا حق غصب کیا ہے اس کا ازالہ کرے جس کے ساتھ زیادتی کی ہے اس سے معافی مانگے۔ صرف زبان سے استغفار اور توبہ کرنے پر اکتفا نہ کرے۔

استغفار تمام انبیاء و رسل علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے۔

آدمؑ ابوالبشر ہیں، پہلے انسان ہیں اور پہلے ہی نبی ہیں۔ ان کی دعا جو قرآن عزیز نے ہم تک پہنچائی۔ ملاحظہ ہو۔

**رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الاعراف: 23)**

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور آپ نے ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور بالضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

یہ تو عمل تھا سیدنا آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کا اب ملاحظہ فرمائیے امام الانبیا محمد رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک بھی اور حکم بھی اور اسی پر قیاس کر لیجیے دوسرے تمام انبیاء و رُسل علیہ السلام کے عمل کو، آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا ایھا الناس توبو الیہ واستغفروہ فانی اتوب فی الیوم مائۃ مرۃ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اے لوگو اس کی طرف توبہ کرو اور اس سے معافی مانگو (استغفار کرو، پس بے شک میں دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔ ایک مقام پر فرمایا

فانی لا ستغفر ربی فوق سبعین مرۃ

میں اپنے رب سے ہر روز ستر دفعہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ توبہ واستغفار تمام انبیاو رسل کا عمل اور سنت ہے۔اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ تمام اندرونی، بیرونی، روحانی جسمانی بیماریوں کا حل اور علاج استغفار میں ہے۔

آپ کو کوئی بھی پریشانی لاحق ہے اس کا تعلق آپ کی روح سے ہے یا آپ کے جسم سے، معاش سے ہے یا اولاد سے گھبرائیے نہیں۔قرآن نے ہمیں ایک بہترین اور سرمدی نسخہ، حل اور علاج بتایا ہے۔استغفار کیجیے، بار بار کیجیے۔اسی سے مانگیے، اسی کی رحمت کے دروازے پر دستک دیجیے۔اپنے گناہوں کی اس سے معافی مانگیے اور پھر مانگتے چلے جائیے۔پھر آپ خود دیکھ لیں گے کہ: باران رحمت کا نزول ہوگا۔آپ کے کھیت لہلہا اٹھیں گے۔آپ کے باغات سرسبز و شاداب بھی ہو جائیں گے اور ثمر آور بھی۔آپ کے گلستان ہستی میں غنچے کھل اٹھیں گے، کلیاں چٹکیں گی اور پھول مسکرائیں گے۔گودیں ہری ہو جائیں گی، صحن آباد ہو جائیں گے۔اور نسل بڑھنے لگے گی، پھلنے پھولنے لگے گی۔ناامید نہ ہوں، ناامیدی، مایوسی قنوطیت گناہ ہے اور شیطان کی طرف سے ہے۔

کان کھلے رکھو، آواز آ رہی ہے
باز آ باز آ ہر آن چہ ہستی باز آ
کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں بارگاہ بارگہ نومیدی نیست
سو بار اگر توبہ شکستی باز آ

# اِنقلابی فرد کی تیاری

(سید اسعد گیلانی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلامی انقلاب کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں یہ انقلاب تین نکاتی فارمولے پر مبنی دکھائی دیتا ہے:

1- فرد میں اخلاقی انقلاب اور اسے ایک نئے انسان کے روحانی قالب میں ڈھال دینا۔

2- ایک ایسے خدا ترس، خدا رسیدہ اور با اخلاق گروہ کی تیاری جو جری، جانباز اور جفاکش ہو جو ایثار و قربانی اور محنت و مشقت کا پتلا ہو۔ خدا کی راہ میں اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہو اور اسے باطل کے مقابلے میں جس مورچے پر بھی کھڑا کر دیا جائے وہ کٹ تو سکتا ہو لیکن اپنے مقام سے ہٹ نہ سکتا ہو۔ قائد انقلاب ﷺ نے اپنی ساری مساعی ایسے گروہ کی تعلیم و تربیت پر صرف کر دی۔ جسے جس چیز کا حکم دیا جائے وہ اسی کو اختیار کر لے اور جس سے منع کر دیا جائے وہ اسے چھوڑ دے۔ جو ہر نوعیت کی عصبیتوں سے بالاتر صرف اصول و نظریات کا علمبردار گروہ ہو۔

3- جب ایسا گروہ مناسب حد تک تیار ہو جائے تو باطل کے نظام سے جانگسل انقلابی کشمکش برپا کر دینا اور اس کے پورے وجود کے خلاف جہادِ مسلسل لڑنا۔ یہاں تک کہ باطل کی قوت کے منبع پر خدا پرستوں کا قبضہ ہو جائے اور دین سارے کا سارا صرف بادشاہ حقیقی، حکمران اعلیٰ یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے وقف ہو جائے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی مدعی حاکمیت باقی نہ رہ جائے۔

یہ وہ سیدھا سادہ سہ نکاتی انقلابی فارمولا ہے جس کے ذریعے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں انقلاب برپا فرمایا اور جب اس انقلاب نے اپنے پاؤں جمائے اور اپنے برگ و بار دکھانے شروع کیے تو پھر جس طرح آندھی کو تھامنا، طوفان کو روکنا اور آبشار کا رُخ موڑنا

مشکل ہوتا ہے اسی طرح اس انقلاب نے بھی عرب سے نکل کر دنیا کے چاروں کونوں کی طرف یلغار شروع کر دی اور دیکھتے دیکھتے آباد دنیا کا ایک تہائی سے زائد حصہ اس کی اخلاق آموز رو کی زد میں آ گیا۔ اس انقلاب سے دنیا کا نقشہ یکسر بدل گیا۔ تہذیب و تمدن کے پیمانے بدل گئے۔ ملکوں اور قوموں کا کلچر بدل گیا۔ علاقوں کی علمی زبان بدل گئی۔ کھانے، پینے اور رہنے سہنے کے ذوق اور ڈھنگ بدل گئے۔ حرام و حلال کے اصول بدل گئے۔ انسان کی تعلیم و تربیت اور تنظیم و معاشرت کے معیار بدل گئے اور پھر زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ جو انقلاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک حصے میں برپا فرمایا تھا وہ عالمگیر صورت اختیار کر گیا۔ جب تک وہ بے آمیز اور با اصول انقلاب رہا اس کی یلغار کو روکنا دشوار ہو گیا۔ اس کے سامنے پہاڑ پست اور سمندر پایاب ہو گئے۔ یہی بات تھی جسے ایک مستشرق نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ:

"عرب میں ایک دھماکہ ہوا اور دنیا کا سارا منظر بدل گیا"۔

انقلاب کا یہ فارمولا اتنا سادہ فطری اور ہر دور میں قابل عمل ہے کہ اس کے نکات کی ترتیب کو ملحوظ رکھ کر جب اور جہاں بھی جدوجہد کی جائے یکساں نتائج برآمد کیے جا سکتے ہیں۔ اس انقلابی فارمولے کے اجزاء کچھ یوں ہیں۔

اسلام جو زمین پر خدا کا پیغام ہے زمین کی ساری آبادی میں سب سے زیادہ اہمیت فرد کو دیتا ہے۔ فرد ہی ہے جو سب سے پہلے وجود میں لایا گیا۔ جسے خدا نے زمین پر اپنا نائب قرار دیا جس کی طرف اپنا خصوصی پیغام انبیاء کی معرفت ارسال فرمایا جس کے لئے حساب کتاب جنت و دوزخ سزا و جزاء کا سلسلہ قائم کیا جو تنہا پیدا ہوتا ہے۔ تنہا مرتا ہے۔ تنہا اپنی قبر میں اترتا ہے اور روزِ حساب کو تنہا ہی اپنی قبر سے اٹھ کر اپنے خدا کے سامنے تنہا اپنے اعمال کا حساب دے گا، پھر تنہا سزا یا جزا بھگتے گا۔ اس میں کیا شک ہے کہ وہ کائنات کا تنہا محور ہے فرد کے لئے یہ سب کچھ ہے اور فرد خدا کی اطاعت کے لئے ہے۔

اسلام نے اسی فرد کی اصلاح پر اپنی ساری اسکیم کا مدار رکھا ہے۔ وہی انقلابی ہے وہی جانفروش مجاہد ہے۔ وہی جذبہ جوش کا منبع ہے وہی ایثار وقربانی کا پتلا ہے۔ اسی کے اٹھ کر علمِ حق اٹھانے سے حق کا اعلان واظہار ہوتا ہے۔ اسی کے لئے ساری تعلیمات ساری اجتماعیات اور ساری معاشیات کے اسباق ہیں۔ ساری اجتماعیت اسی کی انفرادی شخصیت کی تکمیل کے لئے ہیں معاشیات اس کے وسائل رزق ہی سے بحث کرتی ہیں، سیاسیات بھی اسی کی حفاظت، پشت پناہی اور حق رسانی کے لئے ہیں۔ اخلاقیات اس کے اخلاق کو معیار کے مطابق رکھنے اور اسے بہتر فرد بنانے کے لئے ہیں۔ غرض اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اس کی مدد، تعاون، ترقی اور تعمیر کے لئے اس کا معاون ہے اور وہ خود خالق کائنات کا بندہ اور غلام ہے۔ اس لئے اس ساری کائنات کا محور فرد ہی ہے اور فرد سے بالاتر صرف خدا کی ذات ہے وہ اس کائنات میں خدا کا خلیفہ ہے جو اجتماعیت فرد کو بگاڑتی، تباہ کرتی اسے ضمیر وایمان کی حرارت سے محروم کرتی اور اسے اپنا بندہ بے دام بناتی ہے۔ وہ شیطانی اجتماعیت ہے جو اجتماعیت اس سے اس کا انسانی اختیار جو اس کا حقیقی شرف ہے چھین کر، اسے حیوانات کی سطح پر گرانا چاہتی ہے وہ اس کی نشو نما میں مزاحمت کرتی ہے ایسی اجتماعیت کا کوئی احترام کسی ضابطہ اخلاق میں ملحوظ نہیں رکھا جا سکتا۔

غرض یہی وہ فرد ہے جسے اسلامی انقلاب کا علمبردار بنانے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق پرستی کے رنگ میں رنگنے کا اہتمام کیا، اس فرد کو اسلامی انقلاب کا علمبردار بنانے کے لئے جو کام سر انجام دیا گیا وہ یہ تھا کہ سب سے پہلے اس سے اس کلمۂ حق کا اعلان واعتراف کرایا گیا جس کے اعلان سے وہ انسانوں کی ایک قسم (کافر) سے علی الاعلان نکل کر دوسری قسم (مسلمان) میں داخل ہو جاتا تھا، یہ کلمہ تھا:

**لا اِلٰہ الا اللّٰہ مُحمد رَسُوْل اللّٰہ**

یہ گویا حضورﷺ کی دعوتِ انقلاب کا آغاز و اعلان تھا اور اپنی زبان سے یہ کلمہ

ادا کرنے والا شخص خوب جانتا تھا کہ اس نے یہ کلمہ ادا کر کے اپنے بارے میں ساری دنیا سے کیا کہہ دیا ہے اور دوسرے بھی جانتے تھے کہ یہ کلمہ کہنے والا اب کیا بن گیا ہے۔ یہ کلمہ کہتے ہی وہ فرد نظامِ باطل کے گروہ سے کٹ جاتا تھا اور حق کے قیام کی جدوجہد کرنے والے گروہ میں شامل ہو جاتا تھا اس کلمہ کے ایک ایک لفظ کا حقیقی مفہوم ہر ایک پر واضح تھا۔ نہ کہنے والا اس سے بے علم ہوتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور نہ سننے والا اس سے بے خبر ہوتا تھا کہ اس نے کیا کہہ دیا ہے۔ یہ بات کہنے والا درحقیقت اپنے آس پاس کے ماحول اور معاشرے کی اجتماعی ھئیتِ حاکمہ اور ساری دنیا کو مخاطب کر کے یہ بات کہتا تھا کہ وہ اللہ کے سوا کسی کو بھی کسی قسم کے اختیار کا مالک وحقدار نہیں سمجھتا اور محمد ﷺ اور محمد رسول اللہ کے سوا کسی کو بھی اپنا رہنما ہادی اور قائد تسلیم نہیں کرتا۔ گو وہ یہ کہتا تھا کہ ہر حاکم، ہر بادشاہ ہر مختار اور ہر مدعی اقتدار سن لے کہ بادشاہی اور حکم دینے کا سارا حق صرف اور صرف ذات باری تعالٰی کو ہے اور جو کوئی اس سے آزاد اپنی بادشاہی اور حکومت کا دعوٰی کرتا ہے وہ جھوٹا اور دعا دیے جانے کا سزاوار ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا میں زمانہ دراز سے جگہ جگہ نسلی، خاندانی قومی علاقائی اور شخصی حاکموں کے گڑھ بنے ہوئے ہیں اور ہر جگہ کوئی نہ کوئی انسان زمین کے کسی نہ کسی ٹکڑے کا دائرہ بنا کر اس میں صاحب اختیار بنا ہوا کوس لمن الملک بجاتا رہتا ہے۔ جب ایسے کسی گڑھ میں کلمہ طیبہ کی اذان دعوتِ حق بلند کر دی جائے تو اسے اعلان بغاوت کے سوا اور کیا سمجھا جائے گا۔ ہر گدی نشین، کرسی نشین، تخت نشین اور جاہ نشین ہر جہان پناہ آنریبل اور ہز ایکسی لینسی بلکہ ہر مختار کار، کارپرداز اور صاحب اقتدار اپنے آپ کو اس اعلان کا مخاطب اور نشانہ سمجھے گا اور اس نوعیت کا اعلان کرنے والے کا گلا دبانے کے لیے اپنا سارا زور صرف کر دے گا تا کہ ایسا کلمہ دوبارہ بلند نہ ہو۔ اس لیے کہ اس اعلان کو برداشت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے مکمل بااختیار تسلیم نہ کرنے والوں کا جتھا بننے دیا جائے اور ایک روز وہ اپنی گدی سے واقعی محروم ہو جائے اس لیے ہر طاغوت اور

باغیِ حق میں تحفظ ذات کا جو فطری حیوانی جذبہ موجود ہے وہ اسے مجبور کرتا ہے کہ اگر اس کے اندر فطری سعادت کی چمک موجود نہیں ہے تو پھر وہ ظلم وستم کی ظلمت کے ساتھ ایسی آوازِ حق کی روشنی کو دبانے کے لیے میدان میں نکل آئے اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے دیوانہ وار وہ کچھ کرے جو تھوڑے سے اختیار والا انسان خود مختاری کے جنون میں دیوانہ وار کر سکتا ہے۔

بس یہیں سے آزمائش شروع ہو جاتی ہے یہ آزمائش کلمہ حق زبان سے نکالنے والے، ہر فرد کے اخلاص وایمان اور جوہر انسانیت کو آزماتی ہے۔ یہ آزمائش پہلے ہی مرحلے میں حقیقی مخلص فرد کے اخلاص کو چمکا کر کندن کی طرح کھرا بنا دیتی ہے۔ اس میں سے ہر قسم کی حرص وریاء کاری کی کھوٹ نکل جاتی ہے۔ انسان صرف اور صرف خدا کے لیے ہی ایسی سخت پکڑ کو برداشت کر سکتا ہے۔ یہ آزمائش زمان ومکان کی حدود سے ماوراء آتی ہے۔ ہر صورت اور ہر حالت میں آتی ہے اور یہ کلمہ ادا کرنے والے نے جتنی گہری بصیرت اور اخلاص سے ادا کیا ہوتا ہے اسی تناسب سے وہ آزمائش آتی ہے، جسمانی شدائد سے لے کر خاندانی تعلقات کی شکست وریخت سے لے کر معاشی تباہی وبربادی سیاسی ظلم وستم اور معاشرتی بائیکاٹ تک۔ غرض جاہلی معاشرہ کانٹوں کا تاج اس کے سر پر رکھتا ہے۔ کانٹوں کے جوتے اسے پہناتا ہے اور کانٹوں کا لباس پہنا کر اسے گلی کوچوں میں پھراتا اور اسے اس کلمے سے تائب ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ کلمہ پرانے نظام باطل سے بغاوت اور ایک نئے نظام حق کے قیام کا اعلان ہے اور باطل اس کی آواز سن کر جس قدر بھی سٹپٹائے اس کا سٹپٹانا درست اور بجا ہے۔ یہ اس کی پوری ہستی یعنی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ کہنے والے نے جس قدر گہرا مفہوم اپنے جسم وجان وفہم کی توانائی سے اس کلمے میں پیدا کیا ہوتا ہے اسی قدر معاشرے کی اجتماعیت اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتی ہے اگر اس نے وہ کلمہ محض کھیل اور ہنسی مذاق کے طور پر زبان سے ادا کیا ہوتا ہے اور اس کے پیچھے کوئی انقلابی کردار تشکیل نہیں پایا ہوتا تو مخاطب قوم اور ہیئت حاکمہ اس کا کوئی نوٹس نہیں لیتی۔

معاشرے اور اس کی ہیت حاکمہ کی طرف سے اس نوعیت کے اعلان انقلاب کا کلمہ سن کر جو ردعمل ہوتا ہے بس وہی اس فرد کا مدرسہ تربیت قرار پاتا ہے اور اس درسگاہِ آزمائش میں داخل ہوتے ہی وہ ایک انقلابی گروہ کا فرد بنتا چلا جاتا ہے۔ باطل نظام یکا یک اپنے دیے ہوئے سارے مفادات اس سے واپس لینا شروع کر دیتا ہے۔ تب اس فرد کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اس ماحول میں غیر اور اجنبی مسافر کی مانند ہے جس نظام کا وہ حقیقی شہری ہے وہ اس نے خود اپنے ہاتھوں برپا کرنا ہے اس کے بعد اس کی زندگی کا محور صرف اور صرف اسلامی انقلاب ہی بن کر رہ جاتا ہے۔

ابتلاء و آزمائش کی یہ کلاس پہلے ہی مرحلے پر اسلامی تحریک کو بتا دیتی ہے کہ اس کا نیا ساتھی کھرا سکہ ہے یا کھوٹا ہے یا اس میں کچھ ملاوٹ ہے۔ کھرا تو اپنے طور و اطوار سے فوراً ہی اپنا کھرا ہونا ثابت کر دیتا ہے۔ اگر معمولی کھوٹ ہو تو وہ بھی نکل کر کھرا سونا سامنے آ جاتا ہے اور اگر کوئی کھوٹا سکہ ہی ہوتا ہے تو وہ معاشرے کو واپس مل جاتا ہے۔ اس طرح تحریک پہلے ہی مرحلے میں کھوٹے سکوں کی بھرمار سے جن کی منڈی میں کوئی مانگ نہیں ہوتی محفوظ رہتی ہے یہ وہ کھرا سونا بنانے والی بھٹی ہے جسے بگڑا ہوا معاشرہ اور اس کی باطل پسند ہیت حاکمہ خود بناتی ہے۔ اور بنا بنا کر تحریک اسلامی کے حوالے کرتی ہے۔

اسلامی تحریک فرد کی تعلیم کی بنیاد انہیں تین نکات پر مبنی ہے جو اسلام کی اصولی بنیادیں ہیں اور جن پر ایمان لانے سے انسان مسلمان بنتا اور دیگر تمام انسانوں سے مختلف انسان بن جاتا ہے۔ وہ بنیادیں ہیں۔

توحید............رسالت............آخرت

## توحید

توحیدانسان میں ایک طرف عجز بندگی پیدا کرتی ہےتو دوسری طرف اس میں نیابتِ الٰہی کا شرف واحساس پیدا کر کے اسے ہزار سجدوں کی غلامی سے نجات دلاتی ہے۔ توحید پرست انسان کا سرخدا کے سوا کسی دوسرے مدعی کبریائی کے سامنے کبھی جھک نہیں سکتا۔ خدا کے لئے اس کی ہر دوسرے مدعی کبریائی سے جنگ ہے۔توحید پرست انسان کی داخلی قوت کا یہ ایک زبردست منبع ہے کہ خدا کو مان کر وہ اس کی پشت پناہی کے ساتھ ہراس قوت کا باغی ہوتا ہے جوخدا سے بے نیاز اپنی قوت وحاکمیت کی مدعی ہے۔توحیدانسان کواس کی خودی عطا کرتی ہے اور اس میں شعور بندگی کے ساتھ شعور نیابت ابھارتی ہےتو حید پرست انسان کا بادشاہ ذاتِ الٰہی ہے اور باقی سارے مدعی اس کے سامنے مٹی کے کھلونے ہیں۔

یہی چیز تھی جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ایک خطبے میں نہایت خوبصورت پیرائے میں بیان کیا تھا:

"سن! اے اسرائیل ،خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہےتو اپنے سارے جسم اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا کے ساتھ محبت رکھ"۔

"اے اسرائیل! خداوند تیرا خدا تجھ سے اس کے سوا اور کیا چاہتا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کا خوف مانے اور اس کی سب راہوں پر چلے اور اس سے محبت رکھے اور اپنے سارے دل اور ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی بندگی کرے"۔

## رسالت

اس کے بعد انقلابی فرد کی تعلیم کا دوسرا جزو رسالت پر ایمان لانے کا عقیدہ ہے اس عقیدے کے ساتھ اس کو وہ رہنمائی میسر آتی ہے جو سفر زندگی میں اسے صراطِ مستقیم پر قائم رکھتی ہے وہ ایک ایسے ہادی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیتا اور ایسے قائد کا دامن پکڑ لیتا ہے جس کی منزل

اس کی اپنی منزل ہےاور وہ قائدمنزل کے راہ ورسم سے بھی خوب آ گاہ ہےاس قائد کا براہ راست تعلق مالک کائنات اور بادشاہ حقیقی کے ساتھ ہے ۔اس قائد کا مقام دربارالٰہی میں رضا وحمد کا مقام ہےاوراس کا دامن پکڑ کرانسان نہ گمراہ ہوسکتا ہے نہ بھٹک سکتا ہےاور نہ شکست کھا سکتا ہے اس کے ساتھ چلتے ہوئے انسان کا دنیا کے پر پیچ خیالات داوہام سے واسطہ نہیں پڑتا بلکہ سچی حقیقتوں اورحقیقی صداقتوں سے واسطہ پڑتا ہےاس کے سامنے کوئی بات الجھی ہوئی نہیں ہوتی بلکہ زندگی اورموت کے حقائق دواور دو چار کی طرح اس کے سامنےاس طرح کھولے جاتے ہیں کہ موت، حیاتِ مسلسل کاایک درمیانی دروازہ ہے،جس میں سےگزرکرانسان اعمال کی دنیا سے جزا کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہےوہی جسم،وہی روح،وہی انسان،وہی عزیز واقرباءوہی اعمال اور اس کے وہی متوقع نتائج،وہی محبتیں اورقربتیں بس عمل و آ زمائش کا دورختم ہوکرسزاو جزا کا دور شروع ہوجاتا ہےاور چونکہ اعمال کےاثرات ونتائج طویل ہیں اس لئے وہ زندگی بھر لامتناہی اور لازوال ہے۔

## آخرت

تیسرا بنیادی عقیدہ آخرت ہے جو درحقیقت اسی دنیا کا دوسرا وسیع تر عکس ہے ۔ درحقیقت وہ دوسری دنیا ہے،جس کی بنیاد ہرانسان کے لئے اسی دنیا کےاعمال واحوال پر رکھی گئی ہےوہ نیکی جس کی شیرینی اس دنیامیں دل میں محسوس کی گئی تھی اس کا شیریں پھل وہاں اپنے مادی جسم کے ساتھ سامنے آئے گااورانسان کے کام ودہن کوآسودہ کرے گااور وہ بدی جس کی تلخی انسان نے یہاں ضمیر میں کانٹے کی صورت اوردل میں تکلیف دہ خلش کی صورت میں چبھتی ہوئی اورتپتی ہوئی محسوس کی تھی وہ بدی داخلی جہنم کا درخت بن کرنمودار ہوگی اوراپنے تلخ نتائج سے انسان کومجروح اورآزردہ کرے گی ۔کوئی عمل ضائع نہ ہوگا کوئی بھلائی نظر انداز نہ ہوگی۔اللہ کی راہ میں اٹھایا ہوا کوئی قدم حساب میں آنے سے نہ رہے گا۔اس کی راہ میں گرد آلود چہرے اور

اس کے راستے میں اٹھتے ہوئے گرد آلود پاؤں نوازشات سے محروم نہ رہیں گے۔جنہوں نے اس کے دین کی سربلندی اوراس کے نام کی کبریائی کے لئے جدوجہد کی تھی وہ عنایات ونوازشات سے محروم نہ رہیں گےاور جنہوں نے آنکھوں، کانوں اور ہوش وخرد کے باوجود آیاتِ الٰہی کے شعور، ضمیر کی خلش اور سوجھ بوجھ کے باوجود حق کو جھٹلایا ہوگا ان کے سامنے وہ حقائق آئیں گے جن کو وہ دوبارہ نہ جھٹلاسکیں گےاوراعتراض کریں گے کہ ان کا پہلے جھٹلانا بھی قصورِ فہم کا نتیجہ نہیں اوراس کی تشریح وتعبیر ہیں اور حق کے علمبردار مسلمان کی تعلیمی ضرورت ہیں۔اس تعلیمی ضرورت کے ساتھ اس کی عملی تربیت کا کام بھی شروع ہوجاتا ہےاوراسے نیکیوں کی شناخت اوران پرعمل پیرا ہونے کا اہتمام اور بدیوں کی شناخت اوران سے اجتناب کرنے کی تلقین جاری ہوتی ہے۔اس کے ساتھ اسلامی انقلاب کے داعی کا ذاتی نمونہ بھی اس کے سامنے ہوتا ہے اوراس کی ذاتی نگرانی، نگہداشت، تلقین وتدریس اورفہم وشعور کی بیداری کا کام ہوتا رہتا ہے۔اس طرح اعلانِ حق کے ساتھ تعلیم دین، تربیتِ اعمال صالح اور پھر معاشرے کی طرف سے ہمہ نوع ابتلاء وآزمائش کا طویل دور شروع ہوکر ایک فردکو اسلامی انقلاب کا پختہ کار، مضبوط، باکردار پرعزیمت، مستقل مزاج اور ناقابلِ شکست فرد بنادیتا ہے جب اس نوعیت کے افراد جمع ہوتے، ملتے اورایک گروہ کی صورت میں منظّم ہوتے چلے جاتے ہیں اوران میں اسلامی انقلاب کے مطلوبہ اوصاف اجتماعی طور پر بھی پرورش پاتے اور بڑھتے چلے جاتے ہیں تو یہ گروہ باطل کی اندھی نگری میں روشنی کا مینار اور حق کا آہنی قلعہ بن جاتا ہے جس کے ساتھ سر تو پھوڑا جاسکتا ہے لیکن اسے توڑا نہیں جاسکتا۔

# مال واولاد کا فتنہ

(مولانا اسجد قاسمی)

انسان کواللہ کی جانب سے مال،اولاداور دوسری چیزوں کی شکل میں جونعمتیں ملتی ہیں وہ سب آزمائش ہیں۔قرآن اس حقیقت کوواضح کرتا ہے:

ترجمہ:جب انسان کوکوئی تکلیف پہنچتی ہےتو وہ ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے میرے علم کی بنیادپر عطا کی گئی ہے،لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ نعمت (انسان کے شکر یا کفرانِ نعمت کی) آزمائش (ہوتی) ہے مگر ان میں سے اکثرلوگ نہیں جانتے۔(الزمر:49)

ترجمہ:تمہارے مال اوراولاد آزمائش ہیں۔(التغابن 10)

جوبسااوقات انسان کی آخرت کواپنی دنیابنانے کے لئے داؤپرلگادیتے ہیں،ان سے مجبورہوکربسا اوقات آدمی حرام کامرتکب ہوجاتا ہے،اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہ ہوجاتا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک بارحضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے،اسی درمیان حضرت حسن وحسین سرخ لباس پہنے ہوئے آگئے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کواٹھاکر گود میں بٹھالیا پھرفرمایا کہ قرآن بالکل سچ کہتا ہے کہ اموال واولاد آزمائش ہیں،دیکھو میں نے ان بچوں کودیکھاتو مجھے صبر نہ آیا،میں نے خطبہ چھوڑکران کوگود میں لے لیا،یہ بھی آزمائش ہے۔

(ترمذی شریف)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ کسی کو یہ دعا نہیں کرنی چاہیے کہ اے اللہ مجھے فتنہ سے بچایئے، کیونکہ اموال و اولاد اور دیگر نعمتیں بھی فتنہ ہیں، ان سے محرومی کی دعا نا مناسب ہے دعا میں یہ کہنا چاہیے کہ:

ترجمہ: اے اللہ میں فتنوں کے ذریعہ مبتلائے ضلالت ہونے سے پناہ چاہتا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فتح مکہ کا ارادہ فرمایا اور اپنے قریبی صحابہ سے مشورہ کیا اور اس معاملہ کی راز داری کا حکم دیا، مگر مکے سے آئی ہوئی ایک مغنیہ خاتون کے ہاتھوں رؤساء قریش کے نام ایک مکتوب میں حضرت حاطب بن بلتعہؓ نے اس راز کو فاش کرنے کی کوشش کی، وحی الٰہی کی بنیاد پر اس خاتون کے مکہ پہنچنے سے قبل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مامور صحابہ نے وہ خط حاصل کرلیا اور راز فاش نہ ہوسکا، مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے حضرت حاطبؓ سے تحقیق چاہی، انہوں نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے معاملے میں جلدی نہ کیجئے، میں نے اس راز کو فاش کرنے کی کوشش کفر و ارتداد کی وجہ سے نہیں کی ہے، نہ میں کفر کو پسند کرتا ہوں، الحمد اللہ میرا ایمان مضبوط ہے، مجھے یقین تھا کہ یہ راز فاش ہو بھی جائے تب بھی فتح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گی، بس بات اتنی تھی کہ میرے بال بچے اور قرابت دار مکے میں ہیں، میں راز فاش کرکے قریش پر احسان کرنا اور اس کے بدلے اپنے قرابت داروں کا تحفظ چاہتا تھا، بس یہی مقصد تھا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول کرلیا، اس واقعہ سے اولاد و اقارب کا فتنہ سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک بدری مشہور صحابی سے اولاد و اقارب کی محبت میں آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کرنے کی کوشش کا اقدام سرزد ہوگیا۔ قرآن میں مختلف مواقع پر یہ تاکید آئی ہے کہ مال و اولاد میں اتنا انہماک کی اللہ کی اطاعت اور

ذکر سے غفلت ہوجائے ممنوع ہے فرمایا گیا:

ترجمہ: اے ایمان والو تمہارے مال واولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کریں، جو ایسا کرے گا (مال واولاد کی محبت میں اللہ کے ذکر سے غافل ہوگا) ایسے ہی لوگ خسارے میں رہیں گے

مزید ارشاد ہے:

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمنِ آخرت ہوتی ہیں تو ان سے محتاط رہا کرو۔(التغابن 14)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شیطان انسان کے ایمان کی راہ میں بیٹھ کر اسے گمراہ کرنا چاہتا ہے، کہتا ہے کہ کیا اپنے آباء کا دین چھوڑ کر ایمان اختیار کرلو گے؟ مگر بندہ ایمان لے آتا ہے پھر ہجرت کا موقعہ آتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ کیا تم اپنے بال بچوں اور وطن کو چھوڑ دو گے؟ مگر بندہ ہجرت کر جاتا ہے، پھر جہاد کا موقعہ آتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ کیا تم جان دے دو گے مگر بندہ جہاد پر جاتا ہے اور شہید ہو تا ہے، اللہ پر حق ہے کہ اللہ اسے جنت میں داخل کرلے گا۔(بخاری شریف)

قرآن وحدیث میں بے شمار نصوص ہیں جن میں اموال واولاد کے فتنے سے محتاط رہنے کی تلقین کی گئی ہے، عموماً گناہ اسی بے احتیاطی سے ہوتے ہیں۔ اس لئے بہت چوکنا وہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

# سستی، کاہلی، ایک دشمن

(محمد بشیر جمعہ)

یہ'' **تساھل** '' سست روّی، ٹال مٹول، ''تاخیر''اور ''پھر کبھی''ہمارے دشمن اور ہمارے مستقبل کیلئے انتہائی تباہ کن ہیں۔یہ نشہ آور چیزوں سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔جو شخص نشہ کرتا ہے وہ معاشرے سے کافی حد تک کٹ جاتا ہے،مگر تساہل اور سست روّی کا شکار فرد معاشرے میں شامل رہ کر معاشرے کو نقصان پہنچاتا ہے۔ہمارے دفاتر ہوں، کاروبار ہوں، یا گھریلو زندگی ہر جگہ اس تساہل والے مزاج نے مسائل پیدا کئے ہوئے ہیں۔

امام عبدالرحمٰن ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب ''**منھاج القاصدین**'' میں توبہ کے باب میں تسویف (آئندہ کرلوں گا) کے بارے میں لکھا ہے:

"آئندہ پر ٹالنے والے بالعموم ہلاک ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک ہی جیسی دو چیزوں میں فرق کر جاتے ہیں۔آئندہ پر ٹالنے والے کی مثال اس آدمی کی سی ہے جسے ایک درخت اُکھاڑنا ہو، وہ دیکھے کہ درخت بہت مضبوط ہے،شدید مشقت سے اُکھڑے گا،تو وہ کہے کہ میں اس کو اُکھاڑنے کیلئے ایک سال کے بعد آؤں گا۔وہ یہ نہیں جانتا کہ درخت جتنی مدت باقی رہے گا، مضبوط ہوتا جائے گا اور خود اس کی جتنی عمر گزرتی جائے گی وہ کمزور ہوتا جائیگا۔جب وہ طاقتور ہونے کے باوجود درخت کو کمزوری کی حالت میں اسے نہیں اُکھاڑ سکتا تو جب وہ کمزور ہو جائے گا وہ درخت زیادہ طاقتور، تو پھر اس پر کیسے غالب آسکے گا۔"

## تساہل کیا ہے؟

مزاج اور رویّے کے باعث اہم چیزوں کو غیر اہم اُمور کے مقابلے میں مؤخر کرنے کے عمل کو تساہل یا ٹال مٹول کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کیلئے پروکسٹی نیشن (Procrastination) کالفظ استعمال ہوتا ہے۔ہم بعض اہم کاموں کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ انہیں کرنے کا موڈ نہیں ہوتا، بعض اوقات اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ انہیں کرنے کیلئے مناسب وقت اور سکون میسر نہیں ہوتا اور بعض اوقات اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ کرنے کیلئے ابھی کافی وقت اور عمر باقی ہے۔ہم اللہ تعالیٰ کی نعمت "**وقت**" کو رائیگاں کرتے رہتے ہیں۔

حدیث رسول اللہ ﷺ ہے: ''جونہی آنے والے دن کی پو پھوٹتی ہے وہ آواز لگاتا ہے: اے ابن آدم! ''میں اللہ کی نئی تخلیق ہوں اور تمہارے اعمال کا گواہ، اس لئے مجھ سے زیادہ زادِراہ لے سکتے ہو، لے لو، میں پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔''

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومن کو دو دھڑکے لگے رہتے ہیں، ایک اس کا ماضی، جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے کیا نتائج ظاہر کرے گا اور دوسرا اس کا مستقبل جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق کیا فیصلہ کر رکھا ہے۔اس لئے آدمی کو اپنی جان کی خاطر اپنی جان کو، آخرت کی خاطر دنیا کو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور موت سے پہلے زندگی کو کام میں لانا چاہیے۔ایک حدیث میں ہے کہ ٹال مٹول شیطان کا شعار ہے،جس کو وہ مسلمانوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے۔امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ عمر کے سانسوں میں سے ہر سانس ایک نفیس جوہر ہے، جس کا معاوضہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

## کل کا تصوّر:

ہماری زندگی میں " کل" (آئندہ آنے والا دن یا زمانہ) کا لفظ بھی ایک دھوکہ ہے جو انسان کو وقت ضائع کرنے کی شرم اور افسوس سے بچاتا رہتا ہے۔انسان کی زبان میں کوئی لفظ

ایسانہیں ہے جو ''کل'' کے لفظ کی طرح اتنے گناہوں، اتنی حماقتوں، اتنی وعدہ خلافیوں، اتنی بے جا اُمیدوں، اتنی غفلتوں، اتنی بے پراوئیوں اوراتنی برباد ہونے والی زندگیوں کیلئے جواب دہ ہو کیونکہ اس کی آنے والی ''کل''یعنی "فردا" کبھی نہیں آتی۔وقت ایک دفعہ گزرگیا، مرگیا،تو اس کو پڑا رہنے دو۔اب اس کے ساتھ اور کچھ نہیں کرنا ہے۔سوائے اس کے کہ اس کی قبر پہ آنسو بہاؤ۔آج کی طرف لوٹ آؤ مگر لوگ اس کی طرف نہیں لوٹتے اور عملاً ''فردا''(آنے والا کل) کو کبھی ''اِمروز''(آج کا دِن) نہیں ہونے دیتے۔

داناؤں کے رجسٹروں میں ''**کل** '' کا لفظ کہیں نہیں ملتا، البتہ بےوقوفوں کی جنتریوں میں یہ بکثرت مل سکتا ہے۔یہ تو محض بچوں کا بہلاوا ہے کہ فلاں کھلونا تم کو کل دے دیا جائے گا۔کل کا لفظ تو ایسے لوگوں کیلئے ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہے ہیں اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں۔کامیابی کی شاہراہ پر بے شمار اپاہج سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام عمر ''کل'' کا تعاقب کرتے ہوئے ضائع کردی اور اپنی قبر اپنے ہاتھوں کھود لی ہے۔ ہم اسی دھوکے میں ہاتھ دھرے بیٹھے رہے کہ ''کل'' ہمارے لئے اچھی اچھی نعمتیں اور فائدہ مند اشیاء لائے گا،مگر وہ تو آتا ہی نہیں۔اسی طرح ایک اور روّیہ ''**پھر کبھی**'' کا ہے، جو کام مکمل ہوسکتا ہے وہ آج کیوں کریں اور آنے والا''کل'' خود کام کیلئے سازگار حالات پیدا کریگا۔ یہ روّیہ یقیناً ہم لوگوں کیلئے بحیثیت قوم اور بحیثیت اُمت نقصان دہ ہے۔

اہم اور ضروری نوعیت کے کام جن کی تکمیل سے ہمارا ذاتی، معاشی، معاشرتی اور قومی مفاد وابستہ ہے، ہم خواہ مخواہ ملتوی کرلیتے ہیں اوران کی بجائے ایسے کام کرنے لگتے ہیں جن کی بہت ضرورت نہیں ہوتی۔بس ہم اس لئے دوسرے کام کرنے لگتے ہیں کہ اسمیں لذت ملتی ہے، طبیعت کے تساہل کو عذر فراہم ہوجاتا ہے، اوراپنی ذات کو مطمئن کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی بہانہ مل جاتا ہے۔ٹال مٹول کرنے والے لوگ کہتے ہیں کہ جب کام کا وقت آئے گا، اس وقت دیکھ لیں گے۔جب دباؤ آئے گا تو سب کام ہوجائیں گے۔

بعض لوگوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ آخری لمحے میں کام کریں۔اس کا اپنا مزا ہوتا ہے۔ جیسے عید کی رات کو شب بیداری، انکم ٹیکس کی ادائیگی کی آخری تاریخ کو گوشوارہ بنانا، بجلی، گیس، ٹیلی فون کا بل آخری تاریخ کو جمع کرنا وغیرہ۔ شاید اس انداز سے وہ خود تکلیف اُٹھا کر اور دوسروں کو تکلیف پہنچا کر مزا لینے کی کوشش کرتے ہیں؟

کچھ لوگوں کی زندگی کی ترجیحات ہی واضح نہیں ہوتیں۔ جب منزل متعین نہ ہو تو سفر کیسے طے ہوگا۔ امام ابن جوزیؒ اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ اگر صفراء کی زیادتی کا مریض شکنجبین پینے کے بجائے شکنجبین بنانے کی ترکیب سیکھنے میں عمر برباد کردے تو وہ یقیناً دھوکے میں مبتلا ہے۔ آگے فرمایا: ''خوش قسمت وہ ہے، جو اپنی اہم ضرورت کو حاصل کرے، دوسری کو چھوڑ دے، عمل کی طرف توجہ کرے اور اسی کو مقصود اصل جانے۔ (یعنی آج کی زبان میں ترجیحات کا تعین کرے اور اس پر عمل پیرا ہو جائے۔)

## ہماری مسلسل زندگی پر تساہل کے اثرات:

تساہل ایک غیر محسوس بیماری اور خود ملامتی سے بھرپور نشہ ہے۔ اس سے انسان لذت لیتا ہے۔ یہ انفرادی مرض بھی ہے، معاشرتی بھی اور قومی بھی۔ اس کے اثرات بھی سخت ہیں۔

**تساہل کے اثرات..... جائزہ لیجئے:** کیا آپ سستی، کاہلی، ٹال مٹول کے شکار ہیں۔ اگر ہیں اور اندیشہ ہے کہ کسی انداز سے آپ اس مسئلے سے دوچار ہوں گے تو پھر اپنی ذات کے مفاد میں جائزہ لیں کہ اس وجہ سے آپ کی داخلی اور خارجی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

**ممکنہ خارجی اثرات:** اعتماد اور عزت میں کمی، دوستوں اور اہل خانہ کے ساتھ تنازعات، ساتھیوں سے اختلاف و ناراضی۔

**ممکنہ داخلی اثرات:** احساس کمتری، شرمندگی، پشیمانی، یکسوئی کا نہ ہونا، سرگرمیوں میں شریک نہ ہونا۔

# مسلمان

(پروفیسر محمد شبیر شاھد ھوتوانی)

ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰہ مسلمان ہیں یا ہوئے یا بن گئے یا بننے لگے ہیں یا آئندہ بنیں گے۔ یہ وہ سوالات متخیلہ ہیں جن کوابھی وجودنہیں ملا۔ہم سوچ کی دلدل میں سرگرداں ہیں۔ ہمیں تومذکورہ بالا سوالات کومجسم کرنے کی نوبت نہیں آئی، نہ کبھی ہم نے اس بارے میں سوچا، بس !ایک شتر بے مہار کی طرح چلے جارہے ہیں اورہم نے اپنی منزل کاتعین نہیں کیا، بس بے سوچے سمجھے سفرجاری ہے۔جب مقصود سامنے ہوتو سفربھی آسان ہوجاتا ہے اورشعور بھی جاگ اُٹھتا ہے اگر جب زندگی گنجلک ہوجائے تو اسی ادھیڑپن میں سفر بے مقصد ہوکر تارِعنکبوت بن کر تار تار ہوجاتا ہے،اگرچہ تارِعنکبوت نے سدِسکندری کومات دے دی تھی لیکن ہماری زندگی میں یکجہتی ہوتو کامیابی کی اُمید ہو ہم تو کثیر المقاصد زندگی کے چنگل سے آزادنہیں ہورہے۔ظاہری اورعارضی زندگی کی تزئین وآرائش کوسب کچھ سمجھ لیا ہے، یہی ہماراسب سے بڑا فریب ہے۔اس فریب نگاہی نے ہمیں کہیں کانہیں چھوڑا۔ہم نے بچپن سے لڑکپن ،لڑکپن سے جوانی ، جوانی سے بڑھاپا اورارذل العمری تک مختلف مراحل طے کئے لیکن پھربھی سمجھ نہ آئی کہ ہم مسلمان ہیں ہوئے یا بن گئے یا بننے لگے ہیں یا آئندہ بنیں گے۔ہم ذہن کوراہِ راست پرنہ لاکرایسے بھٹکے ہیں کہ ہم انتشار کاشکارہوکر،اپنی ذات کیلئے فائدہ مند ہیں اورنہ دوسروں کیلئے سودمند۔مجھے حضرت واصف علی واصفؒ کاوہ فقرہ باربار یاد آتا ہے کہ ہم بگلے کی مانند ہیں جو ''شکل کامن موچلا ،مچھیاں داڑکاؤ'' ہے۔ہم اگرکوے ہوتے تو کوئی فرق نہ پڑتا کہ وہ باہر سے کالا ہے اوراندرسے بھی۔مسلمان وہ نہیں جواپنی سلامتی چاہے،مسلمان وہ ہے جس کے زبان اورہاتھ سے دوسرے محفوظ ہوں اوروہ دوسروں کیلئے وہ کچھ چاہے جواپنے لئے پسند کرتاہو۔جوصرف اپنی ذات تک محدود نہ ہو۔

یوں تو ہم اللہ والا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ہم نے ظاہری رنگ و روپ تو دھار لیا ہے لیکن اندر سے من کالا ہے، تو پھر کاہے کے مدعی ہیں۔ اگر انسان اللہ سے لو لگانا چاہتا ہے تو اس کی مخلوق (کنبہ) سے محبت ناگزیر ہے ورنہ اللہ تک پہنچنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جس کا مفہوم یوں ہے: "اگر تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو میرے محبوب حضور پُرنور ﷺ کی اتباع کرو اور محبت ایسے نہیں ملتی جب تک اس کی مخلوق سے محبت نہ کی جائے۔

کہتے ہیں مسلمان وہ ہے جو اللہ کو مانے اور مومن وہ ہے جو اللہ کی مانے۔ اس فقرہ سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان وہ جو اللہ کو مانے صرف اللہ تعالیٰ کے ماننے سے کامل مسلمان نہیں ہوتا، جب تک حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول نہ مانے۔ ورنہ موجودہ دوسرے مذاہب و ادیان والے بھی، اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک مانتے ہیں۔

مومن کیلئے یہ تعریف شاید نا کافی ہو جو اللہ کی مانے وہ مومن ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کی مان ہی نہیں سکتا، جب تک مومن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نبی و رسول نہ مانے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جہاں یہ فرماتے ہیں: اطیع اللّٰہو اطیعوالرسول ۔ "اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو۔" ساتھ ساتھ قرآن حکیم میں یہ بھی حکم ہے کہ:

**مَنْ یطیع الرسول فقد اطاع اللّٰہ**

"جس نے رسول کی اطاعت کی، پس اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

اس طرح اس کے قریب قریب ایک اور فرمانِ ربّانی ہے کہ: **قُلْ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ**

اس طرح دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ احکامات کی زنجیر کی کڑیاں بڑھتی جاتی ہیں اور ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدا اور الگ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اگر کسی ایک حلقہ کو چھوڑتے ہیں تو دین کی عمارت کمزور ہو کر دھڑام سے گرنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا ہے:

**اُدْخلوا فِیْ السِّلْمِ کَافَّة** "دین اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔"

اگر اللہ تعالیٰ کے ایک حکم پر عمل کیا جائے اور دوسرے پر عمل نہ کیا جائے تو گنہگار اور فاسق فاجر اور ایک حکم کو مانا جائے اور دوسرے حکم کو سرے سے تسلیم ہی نہ کیا جائے تو کافر شمار ہوگا۔ حکم کو ہی ماننا اور اس پر عمل کرنا سونے پہ سہاگہ اور یہی مقصودِ عین ہے۔ اگر حکم کو سرے سے تسلیم نہ کرے تو پھر کافر ہونے میں شک ہی نہیں رہتا۔

حدیثِ احسان کی روشنی میں مومن محسن بھی ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرتا ہے کہ جیسے وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو، اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے تو اس کے ذہن میں یہ خیال اور تصور پختہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تو اسے دیکھ ہی رہا ہے۔

عارف باللہ کیلئے علم کا ہونا ضروری ہے، جبکہ ولی اللہ ہونے کیلئے علم کی قید نہیں۔

دردِ دل رکھنے والے، محبت و پیار کے متوالے، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت میں غرق و مست دن اور راتیں بسر کرتے ہیں۔ یہ پریمی لوگ ہر وقت پریم کی کشتی پہ سوار ہو کر سمندر میں سیر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی میں مگن رہتے ہیں۔ یہ پریمی محنتی و جفاکش طالب علم کی طرح عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ نام پر طالب علموں کے زمرے میں آتے ہیں، ان کا عام اور متوسط طالب علموں سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا، یہ تو اضافی محنت کر کے محبت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ کر وظیفہ خوار طالب علم کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہیں اپنی ذاتی محنت و محبت پہ ناز نہیں ہوتا بلکہ اپنے اساتذہ سے ٹیوشن کا سبق متواتر لیتے رہتے ہیں۔ اسی لئے تو فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ط

یہ پریمی اور وظیفہ خوار طالب علم وہ درویش و فقیر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب حضرت محمد ﷺ کی محبت کے ساتھ ساتھ اپنے محسن اور مرشد سے بھی محبت کا دَم بھرتے ہیں اور مرشد انہیں اپنے فیض سے روزانہ اور وقتاً فوقتاً سیراب کرتے رہتے ہیں۔ اس میں اس بات کا ثبوت ہے کہ حضور ﷺ کا فیض اُمت پر قیامت تک جاری رہے گا۔ کیونکہ ''جو ان میں سے ہونے والے ہیں لیکن ہنوز ان میں شامل نہیں ہوئے۔'' ان میں وہ سب آ گئے جو خواہ بوجہ اس کے کہ موجود ہیں ایمان نہیں لائے۔ یا بوجہ اس کے کہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔ چنانچہ اس میں تمام اُمت قیامت تک حضور ﷺ کے فیض جاریہ کے تحت آ گئی۔

# صبر نصف ایمان ہے

## (امام غزالیؒ)

ایمان کے دو رکن ہیں ایک یقین، یقین سے مراد ہے ''دین کے ان اصولوں کی قطعی معرفت'' جو بندوں کو ہدایت کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔ دوسرا صبر۔ صبر سے مراد ہے اس یقین اور معرفت کے مطابق عمل کرنا مثلاً یقین آدمی کو یہ بتاتا ہے کہ برائی اور گناہ مضر ہے، نیکی اور طاعت مفید، اب نیکی پر عمل کرنا یا برائی سے بچنا۔ بغیر صبر کے ممکن نہیں ہے کیونکہ عمل سے خیر کے تقاضے کو غالب کرنے کی اور شر کے تقاضوں کو مغلوب کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور یہی صبر ہے اس طرح صبر نصف ایمان ہے۔

**صبر کی قسمیں:** صبر کی دو قسمیں ہیں اول صبر بدن سے کرنا، اس طرح کہ بدن پر مشقت کا تحمل کیا جائے اور بدن سے صبر کرنے کے دو طریقے ہیں، اول یہ کہ خود کوئی فعل کرے یا دوسرا کوئی فعل کر رہا ہو اس کو برداشت کرے، کوئی مشکل کام کرنا یا سخت عبادت کرنا یہ خود فعل کرنے کی مثال ہے اور کوئی مارے اس کو برداشت کرنا اور کسی مہلک مرض یا زخم کو برداشت کرنا، یہ مثال دوسرے کے فعل کو برداشت کرنے کی ہے۔

تو اوّل قسم بدن کے صبر کی تھی۔ دوسری قسم اپنے نفس کا صبر ہونا ہے یعنی نفس کو طبیعت کے مطابق چلنے سے یا خواہشات بد سے روکنا، یہ صبر کا اونچا مقام ہے۔ یہاں صبر کے مختلف نام ہیں اگر طبیعت میں بے حیائی اور بے حجابی کا داعیہ پیدا ہوا اور اس پر صبر کر کے رک گیا تو یہ عفت اور پاکدامنی ہے۔ کسی مصیبت پر صبر کیا تو اس کا صبر ہی ہوگا۔ اس کی ضد یہ ہے کہ طبیعت کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور وہ خوب چیخے چلائے۔ اگر مالداری اور تونگری کی حالت میں صبر کیا ہے تو یہ صبر ضبط نفس کہلائے گا۔ اس کی ضد اترانا اور گھمنڈ کرنا ہے، اگر جنگ اور لڑائی میں صبر کیا ہے تو وہ شجاعت

ہے،جس کی ضد نامردی اور بزدلی کہلائے گی۔اگر غصہ پینے میں صبر کیا تو یہ علم ہے جس کی ضد غضبنا کی ہے،اگر حالات اور زمانے کی دی ہوئی پریشانیوں پر صبر کیا تو اس کو فراخی حوصلہ کہیں گے اس کی ضد کا نام کم حوصلگی ہے۔اگر کسی بات کو چھپانے میں صبر کیا ہے تو یہ صبر کرنا رازداری ہے، اگر ضروریاتِ زندگی میں تھوڑی چیزوں سے صبر کرلیا تو اس کو قناعت کہیں گے۔اس کے مقابل شر اور ہوس ہے۔خلاصہ یہ کہ اچھے اخلاق اکثر و بیشتر صبر میں داخل ہیں۔اسی لیے جب حضور ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا صبر۔

## قوت اور ضعف کے لحاظ سے صبر کی قسم:

کبھی باعث دینی، یعنی تقاضا، خیر داعیہ شر کو بالکل زیر اور مغلوب کر دیتا ہے کہ اس میں نزاع کی بالکل قوت نہیں رہ جاتی اور یہ بات مسلسل صبر سے حاصل ہوتی ہے۔ایسے موقعے پر من صبر ظفر (جس نے صبر کیا وہ کامیاب ہوگیا) یہ جملہ بولتے ہیں۔یہ لوگ خدا کے نیک بندے بن جاتے ہیں،انہیں نفس مطمئنہ حاصل ہو جاتا ہے۔

دوسری صورت یہ کہ داعیہ شر غالب آجائے اور خیر کے تقاضوں کا اُن سے کوئی جھگڑا ہی نہ رہ جائے۔اس وقت آدمی خیر سے مانوس ہو جاتا ہے۔گویا عقل جو معزز شے تھی اس کو نفس کے تابع کر دیا اور ایسا شخص سخت سزا کا مستحق ہے۔ایک حالت یہ ہے جنگ برابر کی ہو' کبھی تقاضہ خیر کی فتح ہو کبھی داعیہ شر غالب آجائے۔ایسا شخص مجاہد اور مقابلہ کرنے والا کہا جاسکتا ہے۔اس کو فاتح نہیں کہہ سکتے۔ضعف اور قوت کے اعتبار سے یہ تین حالتیں انسان پر آتی ہیں۔اب جو لوگ خواہشات بد اور تقاضہ شر کے ساتھ مجاہدہ نہیں کر پاتے وہ قطعی جانوروں کی مانند نہیں بلکہ اُن سے بدتر' کیونکہ جانوروں میں تو مجاہدے کی قوت ہی نہیں ہے انسان میں یہ قوت ہے مگر وہ اس قوت کو ضائع کر رہا ہے۔صبر کرنے میں آسانی ہو یا دشواری اس لحاظ سے بھی صبر کی دو قسمیں ہیں۔ایک یہ کہ نفس پر شاق گزرے اور صبر کرنے کے لیے بہت محنت کرنا پڑے اس کو بزور محنت صبر کرنا کہتے ہیں

دوسرے یہ کہ صبر کرنے میں نفس پر کچھ زور نہ پڑے بلکہ عادت کی طرح انسان صبر کر لے۔یہ اصل صبر ہے۔یہ کام یعنی دوسری صورت اس وقت آسان ہوتی ہے جب انسان نیک راہ اختیار کرے اور صبر کے انجام سے نفع کی امید اور یقین رکھے۔چنانچہ جب مسلسل صبر کرنے کی کوشش کرتا رہے تو صبر میں آسانی ہونے لگتی ہے' پھر اس کے بعد رضا کا درجہ نصیب ہو جاتا ہے۔اسی مرتبے کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔''اللہ کی رضا کے لیے عمل کرو اگر رضا نہ حاصل ہو تو بُرائی پر صبر سے بہت سی بہتری حاصل ہوتی ہے۔''

صبر کرنے والوں کے تین درجے ہوتے ہیں' ایک وہ لوگ جو بُری خواہشات کو چھوڑ دیتے ہیں' یہ تو بہ کرنے والے ہیں۔دوسرے وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ بُرا بھلا پیش آئے اس کو خدا کی طرف سے سمجھ کر اس پر راضی رہتے ہیں۔یہ لوگ زاہد کہلاتے ہیں۔صدیقین کا مقام بھی یہی ہے جس طرح رضا کا مرتبہ صبر کے مرتبے سے اشرف ہے اسی طرح محبت کا مقام رضا سے بھی بلند ہے' اس کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے صبر کو عمدہ چیز ہے۔مگر کہاں عمدہ ہے کہاں بُری ہے یہ جاننا ضروری ہے' ہر جگہ یہ سمجھنا کہ صبر بہتر صفت ہے' لہٰذا اس کو اختیار کرنا ہی چاہیے' غلطی ہوگی۔

## صبر کی ضرورت' انسان ہر حال میں صبر کا محتاج ہے:

حالات کبھی انسان کی خواہش کے مطابق پیش آتے ہیں' کبھی اس کی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں۔بہر حال اُسے دونوں حالتوں میں صبر کرنا پڑتا ہے ۔خواہش کے مطابق احوال یہ ہیں مثلاً صحت تندرستی' عزت مال' ہمدردوں کی' دوستوں کی کثرت' اسباب اور عیش دنیا کی فراہمی' ان احوال میں صبر کی سخت ضرورت ہوتی ہے کیونکہ انسان اگر خود کو نہ روکے گا لذتوں پر صبر نہ کرے گا تو آخر کار سرکشی کو مجبور ہو جائے گا کیونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ جب اُسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میں غنی اور مال دار ہوں تو وہ طغیان اور سرکشی کرنے لگتا ہے۔اسی لیے لوگوں نے کہا ہے کہ عیش و عافیت میں صبر کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔فقر و فاقہ اور مصائب ڈال کر کسی کے صبر کا

امتحان لیا جائے تو یہ مشکل نہیں ہے' انسان کسی طرح سہارا لے جاتا ہے لیکن عافیت' تونگری اور عیش میں ڈال کر صبر کا امتحان لینا سخت ہوتا ہے کم ہی ہمت والے سنبھل پاتے ہیں۔ مال و عافیت پر صبر کرنے سے مراد یہی ہے کہ مال خوب جمع کرے یا ہو جائے تو اس کی طرف رغبت نہ کرے۔ انھیں چند روزہ امانت سمجھے کہ یہ چیز میرے پاس چند دن کے لیے آئی ہے چھن بھی سکتی ہے۔ اس لیے ایسی چیز کا جمع کرنا بے معنی ہے' اس کو خدا نے دیا ہے تو خدا کے راستے میں حق والوں پر خرچ کرنا چاہیے' مال کا شکر ادا کرے' اس طرح کہ غربا اور ضرورت مندوں کو دے۔ جسم اور صحت کا شکر ادا کرے اس طرح کہ دوسروں کے کام آئے ان کی خدمت کرے۔ یہ ایسا صبر ہے جو شکر سے قریب ہوتا ہے' عافیت پر صبر کرنا اس لیے سخت ہے کہ عافیت اور شکر میں انسان کو قدرت حاصل ہوتی ہے پھر بھی وہ بچتا ہے۔

دوسری وہ حالت ہے کہ حالات انسان کی خواہش کے خلاف ہوں بعض ان میں سے وہ ہیں جو انسان کے اپنے بس میں ہوتے ہیں جیسے عبادت کرنا یا بُرائی سے بچنا' بعض وہ ہوتے ہیں جو انسانوں کے اختیار میں نہیں ہوتے جیسے کسی پر مصائب یا حوادث آجائیں بعض صورت یہ کہ فتنہ آنا تو اُس کے اختیار میں نہ ہو مگر بعد میں اختیار ہو جائے۔ جیسے کہ موذی سے بدلہ لینا۔ موذی کا مسلّط ہو جانا تو اپنے بس میں نہیں ہے مگر اس سے بدلہ لینا اپنے اختیار میں ہے۔ ان میں سے ہر صورت میں صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً طاعت میں صبر اس لیے ضروری ہے کہ عبادت طبعاً نفس کو ناپسند ہے' اس میں ایک طرف عبودیت اور نیازمندی پائی جاتی ہے جو نفس پر شاق ہے' نفس تو ربوبیت اور بڑائی کو پسند کرتا ہے اور ہر نفس میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ اسی لیے بعض صاحب حال عارف اور صوفی کہا کرتے تھے کہ "کوئی نفس ایسا نہیں ہے جس میں وہ بات نہ ہو جو فرعون میں تھی اور جس نے اُس سے **انا ربکم الاعلیٰ** (میں تمھارا رب ہوں) کہلوالیا تھا بس اُس نے اس کو ظاہر کیا کہ اُس نے اپنی قوم کو ذلیل سمجھا تو قوم نے اس کی اطاعت کر لی بس اس کی ربوبیت کو اظہار کا موقع مل گیا۔ باقی عام انسان کے اندر یہ بات پوشیدہ رہتی ہے۔

عبادت اور اچھے کام پر صبر کرنا یہ ہے کہ نہ عمل کے شروع میں ریا کاری اور کسی لالچ سے عمل کرے، نہ درمیان میں کوئی فعل کرے جس کے خراب ہونے کا ڈر ہو، نہ بعد میں ایسا کوئی کام کرے یعنی عمل کا اظہار نہ کرے، راز افشا نہ کرے۔

اسی طرح معاصی اور خطاؤں میں صبر ہوتا ہے۔ صبر کی قسموں میں زیادہ شدید اُن معاصی پر صبر کرنا ہے جو عادت کی وجہ سے مالوف ہو گئے ہوں۔ اب اگر وہ گناہ یا معاصی ایسے افعال میں سے ہیں جن کے کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی آسانی سے ہو جاتے ہیں تو اُن پر صبر کرنا بہت ہی دشوار ہے۔ جیسے زبان کے گناہ، جھوٹ، غیبت، لڑائی وغیرہ یا اشارتاً و صراحتاً اپنے نفس کی تعریف سے رک جانا، لوگوں پر اعتراض سے صبر کرنا۔ غرض ان سب سے صبر کرنا بہت دشوار ہے۔ لوگ ان باتوں کو بُرا نہیں سمجھتے ہیں، نہ دلوں میں ان باتوں کی کوئی قباحت باقی ہے اس لیے ان پر صبر اور ان سے رکنا بھی مشکل امر ہے۔ دوسری صورت وہ افعال جن کا آنا اپنے اختیار میں نہ ہو مگر ان کا دفع کرنا اپنے اختیار میں ہے مثلاً کسی نے قول یا فعل سے ایذا دی مگر اس کا بدلہ نہ لیا جائے یہ مضبوط ایمان کی دلیل ہے۔ پہلے ایمان دار کے ایمان کا معیار یہی سمجھا جاتا تھا کہ لوگ ایذا پر کہاں تک صبر کرتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نہ مصیبت کا آنا اپنے اختیار میں ہو نہ اس کا رفع کرنا اختیار میں، وہاں صبر کرنا اعلیٰ درجہ ہے جیسے کسی عزیز کا جانا، مال کا تلف اور برباد ہو جانا۔ اس قسم کی مصیبتوں پر صبر کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مصیبت میں آدمی کے دل میں ناگواری اور پریشانی ہوئی تو یہ مقام نہ ملے گا! کیونکہ مصیبت میں غم اور پریشانی کا ہونا اپنے اختیار سے باہر ہے یہاں یہ مطلب ہے کہ ہاتھ پیر سے، زبان سے اظہار نہ کرے۔ بال نوچنا، سر پٹکنا، شکوہ شکایت کرنا چھوڑے رکھے، جو روزانہ کے معمولات ہوں ان میں فرق نہ آنے دے بس اس قدر کافی ہے، ورنہ دل پر کسے اختیار ہے، صبر کا تقاضا بھی بس اتنا ہے کہ اس کا اظہار نہ ہو، ورنہ دل میں ملال رکھنے یا آنسو بہانے سے صبر نہیں نکلتا۔ بڑا اور عظیم مقام یہ ہے کہ آدمی اُلجھنوں، پریشانیوں میں رہے نیز خدا اور اُس کی مخلوق کے لیے ہر اُس جگہ جائے جہاں پریشانیوں اور لوگوں کی طرف سے

ایذا رسانی کا سامان ہو اور اُس کے باوجود وہ صبر کرتا ہو' صبر میں انسان کو جو ثواب ملتا ہے اس کا دھیان رکھے تو صبر کی پریشانی کا بہت حد تک ازالہ ہو جاتا ہے۔ فتح موصلیؒ کی بیوی کا ناخن کسی صدمے سے ٹوٹ گیا' وہ مسکرا پڑیں' لوگوں نے پوچھا تو کہا اس تکلیف پر جو اجر ملے گا اُس کے خیال نے تکلیف کا خیال دل سے نکال دیا۔ خدا کی تعظیم اور اس کی پہچان کی دلیل ہی یہ ہے کہ انسان درد کا شکوہ نہ کرے' نہ مصائب کا ذکر کرے یہ کون سی دوستی اور وفاداری ہے کہ دوست کی طرف سے ملی ہوئی کسی تکلیف کا بھی دوسروں سے شکوہ کیا جائے۔ یہ تو دوست کا اور اس کی دوستی کا مذاق اڑانا ہے۔

**صبر کا علاج:** صبر کا علاج اس بات کے علم سے ہوسکتا ہے کہ جس نے مصیبت ڈالی ہے وہی اس کا علاج کرتا بھی ہے۔ مثلاً نفس اگر بُرائی کا تقاضا کرتا ہے۔ تو علم سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ انسان جب طرح طرح کی نعمتیں کھاتا ہے' مقوی غذائیں خوب پیٹ بھر کر کھاتا ہے تو برائی کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر نگاہ کو آزاد چھوڑنے' ہر بُری بھلی چیز کو تاکنے جھانکنے سے اس میں تقویت ہوتی ہے اور اس کے بعد نفس کو آزاد چھوڑنے سے بُرے افعال پیدا ہوتے ہیں۔ اب اس علم کے بعد اس کا علاج آسان ہو جاتا ہے کہ کھانا' پینا' زندگی کی بقا اور عبادت پر مستعد رہنے کے لیے کھائے' پیٹ زیادہ نہ بھرے کہ نفس سرکشی کرے۔ پھر نگاہ و دل کو پاک رکھے۔ چونکہ بنیادی بات اس میں کھانے کا معاملہ ہے اس لیے اس پر توجہ دے۔ جب آدمی کم خوری سے ہمہ وقت نفس میں ضعف محسوس کرے گا تو گناہ کی طرف ذہن کم جائے گا جنگل کے خوف ناک درندوں کو قابو میں رکھنے کے لیے انھیں ہمیشہ بھوکا رکھا جاتا ہے۔ یہی حال نفس کا ہے اور اگر اس بات پر قادر ہو کہ سادی غذا کھائے تو بہت مفید ہے۔ جن چیزوں سے جذبات میں ہیجان برپا ہو گوشت' شراب وغیرہ ان سے حتی الامکان بچے۔

نگاہ و دل کی پاکیزگی کا لحاظ رکھے۔ صبر اور عموماً ہر عادت کو بدلنے یا نئی بات کی عادت

ڈالنے کے لئے پر تکلف کوشش کرنی پڑتی ہے۔ پرانی باتوں اور ان سے متعلق تمام باتوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ نئے افعال طبیعت میں جم جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ عادت بن جاتے ہیں، جو چیز پہلے محبوب ہوتی ہے وہاں مبغوض ہو جاتی ہے۔ اس لیے خواہشات بد اور نفسانی شرارتوں کے لیے جو محرکات ہوں اُن سے بچتے رہنا چاہیے۔ انسان کے اندر اس کے نیک اور خیر کے احساسات کو جبھی تقویت ہوتی ہے جب نفس کو مجاہدے کا پابند بنایا جائے، نیکی اور شرافت کا بدلہ اور انعام یاد دلایا جائے۔ آہستہ آہستہ عادت ڈالی جائے کہ انسان کے اندر باعث ہوا و ہوس کو شکست دے سکے۔ محنت شرط ہے پھر عادت پڑنے پر یہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کا نفس تو ہر وقت دنیا اور اس کے مخمصے میں الجھا اور مشغول رہتا ہے، اس کے مقابلے میں ایک دوسری سلطنت ہے، زہد اور خیر کی سلطنت یہی زیادہ صحیح، پائیدار اور مضبوط سلطنت ہے۔ زہد کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے غضب اور خواہش کا مالک ہو جائے اور یہی اصل سلطنت ہے کہ انسان ان دو باغی قوتوں کو زیر کرے اور خود ان سے آزاد ہو جائے، ان دونوں کا غالب رہنا اصل غلامی ہے۔

## دعائے مغفرت

ہمارے بزرگ بھائی ڈاکٹر محمد اشرف اللہ

جو قبلہ انصاری صاحب سے بیعت تھے

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ)

مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

# بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک و تصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء ،علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
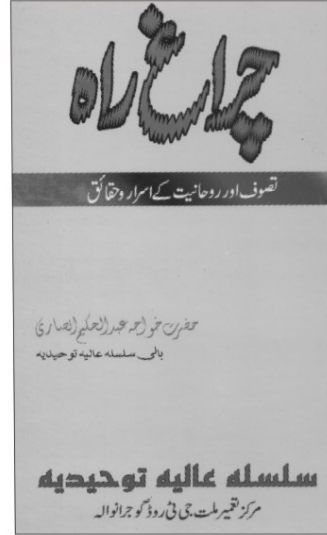
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔
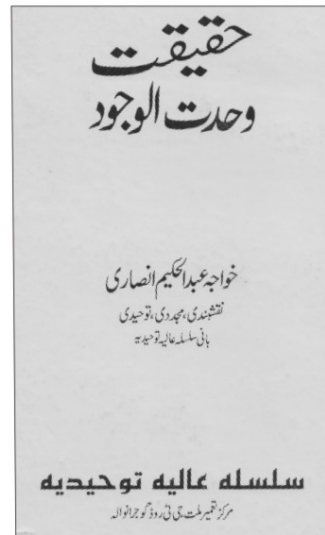
# مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔
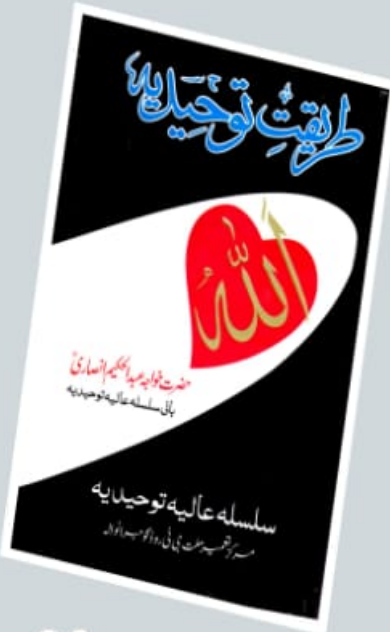
**Reg: CPL - 01**

**Website www.tauheediyah.com**